ماہنامہ

انوار مدینہ

لاہور

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

نگرانِ اعلیٰ

حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ماہنامہ

انوارِ مدینہ

مُدیر اعزازی: پرفیسر یوسف سلیم چشتی ○ مدیر معاون: حبیب الرحمٰن اشرف

جلد: ۳ — رمضان ۱۳۹۲ھ — اکتوبر ۱۹۷۲ء — شمارہ: ۴

فون: ۶۲۹۳۲

مرتب: حبیب الرحمٰن اشرف
فاضل جامعہ مدنیہ لاہور

بدل اشتراک: سالانہ سات روپے   طلبہ کیلئے پانچ روپے   فی پرچہ ۶۵ پیسے

جامعہ مدنیہ ○ کریم پارک ○ راوی روڈ ○ لاہور

اِس شمارے میں

اداریہ ________ ۳

اولئک ہم الراشدون ___ حضرۃ مولانا سید محمد میاں مدظلہٗ ___ ۴

الشفاء ________ محترم نورمحمد غفاری ___ ۱۰

نعت ________ جناب اکبر لاہور ___ ۱۵

اسلامی نظامِ عدالت ___ حضرۃ مولانا مرزا گل مدظلہٗ ___ ۱۶

اعلیٰ اخلاق کا معلّم ___ حضرۃ مولانا سیّد محمد میاں مدظلہٗ ___ ۲۳

نداء الاسیر ___ حضرۃ مولانا مفتی محمود مدظلہٗ ___ ۳۵

حفّاظ و محافظین قرآنؒ ___ حضرۃ مولانا قاری رحیم بخش مدظلہٗ ___ ۳۸

حضرت مولانا رسول خانؒ ___ حضرۃ مولانا قاری فیوض الرحمٰن مدظلہٗ ___ ۴۴

غزل ________ جناب اختر چغتائی ___ ۵۲

رائے ________ حضرۃ مولانا قاری محمد طیّب مدظلہٗ ___ ۵۳

تبصرہ ________ ۵۴

تعارف جامعہ اور اپیل ___ محترم الحاج محمود احمد عارف ہوشیارپوری ___ ۵۶

سید حامد میاں مہتمم جامعہ مدنیہ طابع و ناشر نے مکتبہ جدید پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ انوارِ مدینہ، جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

بہارِ روحانیت

شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۔

عالمِ روحانیت کی بہار کا مہینہ جس کے شب و روز قربِ خداوندی کی منزلیں طے کراتے ہیں، گناہوں کی معافی، دعاؤں کی اجابت، رحمت کاملہ کی توجہ سب ہی کچھ عام ہوتا ہے۔ اگر بندہ زندہ رہے تو ان مبارک ایام کی فضیلت حاصل کرتا ہے، اگر دنیا سے رخصت ہو جائے تو حساب کتاب سے نجات مل جاتی ہے۔

اسی مُبارک مہینہ میں نزول قرآن پاک ہوا۔ اسی مبارک مہینہ میں خداوندِ کریم کے حضور کھڑے ہو کر پڑھا اور سُنا جاتا ہے کہ علاوہ فرائض کے جماعت کے ساتھ سنت تراویح ادا کی جاتی ہے۔

اس مبارک مہینہ میں نیکیوں کی افزائش کے ساتھ یہ مشق بھی کرائی جاتی ہے کہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔ نفس امارہ کو روزوں کے ذریعہ کمزور کیا جاتا ہے، غیبت، بدگوئی، بدخواہی اور تمام خواہش سے جو اجتناب کرے اس نے روزہ کا حق ادا کر دیا اور صحیح معنوں میں وہ روزہ دار رہا۔

یہ بھی سمجھنا چاہیئے کہ حقیقی معنوں میں نیکی کے دو جزء ہیں۔ ایک یہ کہ انسان نیکیاں کرے، دوسرے یہ کہ بُرائی چھوڑ دے۔ رمضان مبارک میں ان دونوں اجزاء کی مشق کرائی جاتی ہے۔ اسی میں ایک بہت ہی پیاری عبادت اعتکاف بھی کیا جاتا ہے۔ اعتکاف کا مطلب یہ ہے کہ بندہ گویا دنیا و مافیہا چھوڑ کر مولا کی رضا اور اپنے گناہوں کی بخشش کا طالب ہو کر اپنے مولیٰ کے در پر آ پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سب مسلمانوں کو توفیق مرحمت فرمائے کہ رمضان مبارک کی برکات اور نقدِ وقت سے پوری طرح مستفید و متمتع ہوں۔ قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ ہمیں اور ہمارے ادارہ جامعہ مدنیہ کو، نیز تمام دینی خدمت کرنے والے اداروں اور افراد کو اور مملکتِ پاکستان کو دعاؤں میں یاد فرماتے رہیں۔　　ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم۔

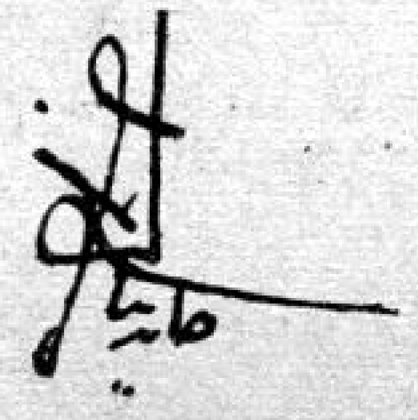

فتنوں کی سرکوبی　　　(قسط : ۱۹)

اُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْن

"خلافت و ملوکیت" کے جواب میں!

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا سیّد محمّد میاں ادام اللہ معالیھم

مروان کی تقریر اور فتنہ انگیزی کا افسانہ مودودی صاحب کی یہ تمام تحریر جو اس بحث کے آغاز میں پیش کی گئی جس پر یہ تبصرہ چل رہا ہے۔ اس کا ماخذ واقدی کی ایک طویل روایت ہے۔ ابن اثیر۔ حافظ ابن کثیر اور ابن خلدون وغیرہ نے اس کے اقتباسات لئے ہیں۔ طبری نے اس پوری روایت کو نقل کر دیا ہے۔

(از ص ۱۰۸ تا ۱۱۳۔ ج ۵)

علامہ ابن جریر طبری نے اس کو اہمیت نہیں دی بلکہ اس کو آخر میں نقل کیا ہے اور ممکن ہے ان کا خیال یہ ہو کہ نقل کفر کفر نہ باشد۔ مگر مودودی صاحب جیسے حضرات کے لئے یہ روایت ایک مستند اور مقدس دستاویز ہے۔ پوری روایت کو نقل کرنا یا پوری روایت کا ترجمہ کرنا تضیع اوقات ہے۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ بلوائی جب ایک خط کا بہانہ لیکر دوبارہ مدینہ پر چڑھ آتے اور یہ اعلان کر دیا کہ جو اُن پر حملہ نہیں کرے گا اسکو وہ بھی نہ ستائیں گے تو اس وقت ایک گفتگو کا سلسلہ شروع ہوا۔ سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ، اس میں واسطہ تھے۔ اس گفتگو میں یہ بھی طے ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن ابی سرح وغیرہ سے واسطہ نہیں رکھیں گے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے پر عمل کیا کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ۔

اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر یہ بھی اصرار کیا کہ وہ مجمع عام میں تقریر کر کے لوگوں کو اطمینان دلا دیں، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تقریر فرمائی اور جیسا کہ وہ تقریباً ایک

سال پہلے حضرت سعید بن العاص کے معاملہ میں کوفہ والوں کو لکھ چکے تھے کہ تمہارے مطالبہ کے بموجب میں نے سعید بن العاص کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کو مقرر کر دیا ہے اور واللہ میں معاملہ کو ختم کرنے اور حالات کی اصلاح کے لئے پورے صبر سے کام لوں گا اور تمہارے لئے کوئی حجت باقی نہیں چھوڑوں گا۔ (طبری ص ۹۶ - ج ۵)

ایسے ہی اس تقریر میں بھی آخری حد تک اپنی تیاری کا اظہار کیا کہ وہ اتمام حجت کے لئے سب کچھ کرنے کو تیار رہیں۔ آپ نے اپنی غلطیوں کی اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی اور توبہ کی اور یہ بھی فرمادیا کہ اگر تقاضا حق یہ ہو کہ میں غلام کی حیثیت اختیار کر لوں تو میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔ لَاَذِلَنَّ ذِلَّ الْعَبْدِ - ولا کونن کالعبد المرقوق ان ملك صبر وان عتق شکر (طبری ص ۱۱۱ ج ۵، ابن اثیر ص ۸۲، ج ۳) — میں وہ ذلت برداشت کروں گا جو غلام برداشت کرتا ہے۔ میں اس زرخرید غلام کی طرح ہو جاؤں گا جو اگر مملوک رکھا جائے تو صبر کرتا ہے اور اگر اسے آزاد کر دیا جائے تو شکر ادا کیا کرتا ہے۔ آپ صاحبان آئیں، مجھے مشورہ دیں میں مشورہ پر عمل کرونگا۔ لئن ابت یمینی لتتابعن شمالی - اگر میرا داہنا ہاتھ عمل نہیں کریگا تو میرا بایاں ہاتھ عمل کرے گا اور مشورہ کی پیروی کرے گا۔ (طبری ص ۱۱۱ ج ۵)

اس تقریر کے بعد وہ مکان پر واپس تشریف لائے تو وہاں مروان اور خاندان کے کچھ اور لوگ موجود تھے۔ مروان منہ چڑھے خادم تھے۔ انہوں نے عرض کیا حضرت اگر آپ با اختیار اور اپنی جگہ پر محفوظ اور مضبوط ہوتے اور اس وقت یہ تقریر فرماتے تو سب سے پہلے میں آپ کے حوصلہ اور حق پسندی کی تعریف کرتا اور اب جبکہ آپ ہر طرف سے گھرے ہوئے ہیں اور ایسے پابند ہیں کہ گویا آپ کی نکیل دوسروں کے ہاتھ میں ہے آپ کی اس تقریر سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلکہ اس کا اثر الٹا پڑے گا۔

(طبری ص ۱۱۱، ۱۱۲، ج ۵)

ہمیں یقین نہیں آتا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ تقریر فرمائی ہوگی اور سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسی تقریر کا مشورہ دیا ہوگا۔ بہر حال اگر واقدی کی روایت تسلیم کی جاتی ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ نقطۂ اختلاف ہے۔ اس وقت تک کی کاروائی کو حضرت علیؓ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ درست سمجھ رہی ہیں اور ان کو یہ توقع ہے کہ اس سے معاملہ سلجھ جائے گا اور فتنہ دب جائے گا اور مروان کی رائے یہ ہے کہ یہ فتنہ پرداز جس کا منشا تخریب اور جن کا مقصد شر انگیزی ہے جواب تک

پر کا کوّا بلکہ بلا پر کے کوّا بناتے رہے ہیں اور حال ہی میں یہ بد عہدی کر چکے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سب کچھ وعدہ کر کے گئے اور تین روز بعد خط کا بہانہ لے کر دوبارہ آ گئے۔ وہ اس نرمی اور انکسار سے درست نہیں ہونگے اُن کے حوصلے اور بلند ہونگے۔ حضرت مروان کی اس گفتگو کو آپ مخلصانہ اظہار راے بھی کہہ سکتے ہیں۔ اور حقیقت بھی یہی ہے، لیکن اس گفتگو پر یہ حاشیہ چڑھایا گیا کہ یہ صاحب حضرت عثمان اور اکابر صحابہ کے باہمی خوشگوار تعلقات کو خراب کرنے کی مسلسل کوشش کرتے رہے تاکہ خلیفہ برحق اپنے پرانے رفیقوں کے بجائے ان کو اپنا زیادہ خیر خواہ اور حامی سمجھنے لگیں۔ (خلافت و ملوکیت ص ۱۱۵)

حضرت مروان نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی تقریر پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ اگر واقعی کوئی غلطی ہوئی ہے تو میرے نزدیک اس غلطی پر قائم رہنا ایسی توبہ سے بہتر ہے جس کا انداز مرعوبانہ ہو گویا آپ لوگوں سے ڈر کر توبہ کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا تقرب تقریری توبہ سے حاصل نہیں ہوتا، وہ اس توبہ سے حاصل ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہو۔ (طبری ص ۱۱۱ - ج ۵)

حضرت مروان نے کہا کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ آپ سمجھ رہے ہیں کہ معاملہ دب گیا۔ حالانکہ اب بھی آپ کے دروازہ پر لوگوں کا ہجوم ہے۔ اور ان فتنہ پردازوں کی بھیڑ بڑھتی جا رہی ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو جو کچھ کہہ چکا ہوں اب اس کی تردید کرنے کو تیار نہیں ہوں۔ تم چاہتے ہو تو اس مجمع سے خطاب کر لو۔

اب مروان پھاٹک پر پہنچے تو مجمع پہلے سے بھی زیادہ ہو چکا تھا اور بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ مجمع نہ صحابہ کرام کا تھا نہ فرزندان صحابہ یا اہلِ مدینہ کا، بلکہ انہیں کا تھا جو مدینہ کو گھیرے ہوئے تھے اور بقول مودودی صاحب کسی کے بھی نمائندے نہیں تھے۔

حضرت مروان نے ان کے سامنے بیشک ایک سخت[1] تقریر کی۔ تمہارے چہرے جُھلس جائیں۔ تم لوگوں نے یہاں کیوں بھیڑ لگائی ہے۔ تم لوٹ مار کرنا چاہتے ہو کہ خلافت کو ختم کر دو۔ یہاں سے چلے جاؤ۔ اگر تم نے کوئی بُرا ارادہ کیا تو یاد رکھو ہم بھی وہ کریں گے جو تمہیں پسند نہیں ہو گا۔ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جاؤ۔ یاد رکھو ہم مغلوب نہیں ہیں۔ (طبری ص ۱۱۴ ج ۵)

---

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمایا جائے۔

حضرت مروان رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر لامحالہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی ناگوار ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ نائلہ کو بھی ناگوار ہوئی۔ اس تقریر کی بنا پر انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مروان تم کو قتل کرا کے چھوڑے گا اور اسی تقریر کی بنا۔ پر یہ بھی کہا گیا کہ مروان حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر حاوی ہیں اور جو چاہتے ہیں کر لیتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کا کچھ نہیں کر سکتے۔

اور یہی تقریر جس کا تذکرہ مذکورہ بالا اقتباس میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شکایت کی۔ آپ خود منبر رسول پر کھڑے ہو کر لوگوں کو مطمئن کرتے ہیں اور آپ کے جانے کے بعد آپ ہی کے دروازہ پر کھڑا ہو کر مروان لوگوں کو گالیاں دیتا ہے اور آگ پھر بھڑک اٹھتی ہے۔ (ص ۳۳۲۔ ج ۵)

(دروازے پر کھڑے ہو کر مروان نے یہی تقریر کی تھی جس کا پس منظر ہم نے اوپر بیان کیا ہے)

نتیجہ: (۱) قطع نظر اس کے کہ تقریر برمحل تھی یا بے محل اور غیر موزوں تھی۔ یہ کھلے طور پر ثابت ہو گیا کہ اس تقریر کو فتنہ کا ثمرہ کہا جا سکتا ہے، سبب نہیں کہا جا سکتا۔

(۲) اس تقریر کے مخاطب نہ صحابہ کرام ہیں نہ اولادِ صحابہ یا اہلِ مدینہ۔ اس تقریر کے مخاطب وہی

(حاشیہ صفحہ ۶)

[1] واقدی نے ایک اور واقعہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت علی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کی طویل گفتگو ہوئی اس میں شکوے شکایتیں بھی تھیں۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے منبر پر رونق افروز ہو کر تقریر کی جس میں کچھ شکایتوں کا جواب تھا، کچھ اپنی پالیسی کی وضاحت تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خاموش ہوتے تو حضرت مروان نے تقریر شروع کی۔ اگر آپ لوگ چاہتے ہیں تو ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کر سکتی ہے پھر ایک شعر پڑھا، لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آگے نہیں بولنے دیا۔ حضرت مروان کو خاموش کر دیا اور فرمایا یہ میرا اور میرے دوستوں کا معاملہ ہے تمہیں بولنے کا حق نہیں ہے میں تم سے پہلے ہی کہہ چکا تھا کہ تم کچھ نہ بولنا۔ طبری ص۹۸ ج ۵۔ اگر یہ روایت صحیح ہے تو مودودی صاحب کا الزام اس سے بھی ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ اوّل تو مروان کچھ کہہ ہی نہیں سکے اور اگر کہتے بھی تو یہ بھی ہنگامہ کے دوران کا واقعہ ہے۔ شورش پہلے سے شروع ہو چکی ہے۔ اس تقریر سے نہ شورش ہوئی نہ کسی صحابی کو شکایت کا موقع ملا۔

بے مہار بلوائی ہیں جو بقول مودودی صاحب کسی کے بھی نمائندے نہیں تھے۔ لہٰذا مودودی صاحب کا یہ الزام قطعاً غلط ہے کہ مروان نے متعدد مرتبہ صحابہ کے مجمع میں ایسی تہدید آمیز تقریریں کیں جنہیں طلقاء کی زبان سے سننا سابقین اوّلین کے لئے بمشکل قابلِ برداشت ہو سکتا تھا۔ (ص ۱۱۶) متعدد مرتبہ نہیں صرف ایک مرتبہ اور صحابہ کے مجمع میں نہیں بلکہ ان شورہ پشتوں کے مجمع میں جو مدینہ پر اسوقت چھائے ہوئے تھے اور خلیفہ مظلوم کے شہید کرنے کا منصوبہ بنائے ہوئے تھے۔

(۳) بیشک نائلہ اس تقریر سے ناراض ہوئیں وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی وہی پالیسی پسند کرتی تھیں جس کا اعلان انہوں نے اپنی تقریر میں کیا تھا (اگر اس تقریر کے متعلق روایتوں کو صحیح مانا جائے) جس میں توبہ اور استغفار کرتے ہوئے بزعم خود اتمام حجت کے لئے نہایت دبا ہوا انداز اختیار کیا تھا کہ میں غلاموں جیسی ذلّت بھی برداشت کرنے کو تیار ہوں، میں زر خرید غلام کی طرح بننے کو تیار ہوں جس کو اگر مملوک رکھا جائے تو وہ صبر کرتا ہے اور اگر اس کو آزاد کر دیا جائے تو وہ شکر کرتا ہے۔

پھر یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ صاحبان آئیں مجھے مشورہ دیں اس پر عمل کروں گا۔ لیکن اس تقریر کے کیا معنی تھے کیا اس حوالگی کے معنی یہ نہیں تھے کہ آپ اپنے ہاتھوں وہ خلعت اتار رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو پہنایا تھا اور جس کے بارے میں آپ بار بار فرما چکے تھے میں کبھی نہیں اتاروں گا۔ خواہ جان جاتی رہے۔ مجھے میرے حبیب کی وصیت ہی یہ ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

اور کیا اس تقریر کے معنی یہ نہیں تھے کہ آپ اپنے آپ کو ان کے حوالے کر رہے ہیں جو بقول مودودی صاحب کسی کے بھی نمائندے نہیں تھے جن کا قائد عبداللہ بن سبا اور وہ حکیم بن جبلہ تھا جو چوروں اور ڈاکوؤں کی پارٹی کا مکھیا اور سرغنہ رہا تھا۔ (طبری ص ۹۰ ج ۵) اور اس کی یہی پارٹی اس وقت بھی پیش پیش تھی۔

(۴) اس تقریر کی بناء پر کہا گیا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت مروان کے تابع ہوگئے۔ نائلہ نے بھی طعنہ دیا تھا۔ اطعت مروان یقودک حیث شاء (طبری ص ۱۱۲ ج ۵) (مروان کے تابع ہوگئے جدھر کو چاہتا ہے تمہیں کھینچ کر لے جاتا ہے)

لیکن معمولی توجہ سے بھی کام لیا جائے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مروان کے تابع نہیں ہوئے تھے، بلکہ اس تقریر کی بناء پر وہ اپنے موقف سے ہٹ گئے اور مروان نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنے راستہ پر نہیں چلایا بلکہ اس صراطِ مستقیم کی طرف اشارہ کر دیا جس پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گامزن تھے،

اور آخر تک اسی پر گامزن رہنے کا عزم کر چکے تھے۔

واقدی کی روایت خلاف قیاس اور خلاف درایت ہے

سمجھ میں نہیں آتا واقدی کی اس روایت کو کیسے تسلیم کر لیا جاتے اور مودودی صاحب کو کیسے ہمت ہوئی کہ انہوں نے اس روایت کی بنیاد پر سخت ترین الزام لگا دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی محولہ بالا تقریر دوبارہ پڑھیئے۔ اس پر حضرت مروان کے اعتراض نیز حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اس شکایت پر بھی نظر فرمایئے کہ میں جن معاملات کو سلجھانے کی کوشش کرتا ہوں مروان ان کو پھر بگاڑ دیتا ہے۔ (خلافت وملوکیت ص ۳۳۲)

اگر یہ تقریر صحیح ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ بموجب روایت واقدی یہ تقریر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے منشاء کے مطابق تھی اور مروان نے اس کے خلاف لب کشائی کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت ناراض ہوتے۔ (طبری ص ۱۱۲، ۱۱۳، ج ۵)

تو اسکا حاصل یہ ہے کہ سیدنا حضرت علی ؓ راضی ہو گئے تھے کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنے نظریات قربان کر دیں اور جام شہادت کے مقابلہ میں نظریات کی قربانی منظور کر لیں۔ مگر مروان نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قربانی کی تلقین کی اور اگرچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ممانعت کے سبب سے وہ اپنا حوصلہ پورا نہیں کر سکے، مگر جیسے ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی قربانی دی حضرت مروان بھی قربان ہونے کے لئے میدان میں آگئے۔ بلوائیوں کا مقابلہ کیا اور ایسے زخمی ہوتے کہ بلوائی ان کو مُردہ سمجھ کر چھوڑ گئے (طبری، ج ۵ ص ۱۲۴)

حضرت مودودی صاحب تو شاید یہ ہمت نہ کر سکیں، البتہ حضرات ناظرین فیصلہ فرمائیں کہ اگر واقدی کی یہ ڈرامائی روایت تسلیم کی جاتی ہے تو مستحق مبارکباد کون ہوتا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ یا حضرت مروان رضی اللہ عنہ۔

المکرمہ پریس

خلیق و دیانتدار عملہ

بہترین و بارعایت طباعت

۵۔ شارع فاطمہ جناح، لاہور

الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مولفہ: قاضی ابو الفضل عیاض بن موسیٰ الاندلسی
مترجمہ: محترم نور محمد صاحب غفاری ایم اے، بہاولنگر

الباب الاوّل

فی ثناء اللہ تعالیٰ علیہ واظہارہ عظیم قدرہ لدیہ

پانچویں فصل

(یہ فصل ان قسموں کے بارے میں ہے جو اللہ تعالیٰ شانہ نے جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے نزدیک قدر و منزلت ثابت کرنے کے لئے ذکر فرمائی ہیں۔)

آیات کا تیسرا سلسلہ

فَلَآ اُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ ۝ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ ۝
وَاللَّيْلِ اِذَا عَسْعَسَ ۝ وَالصُّبْحِ
اِذَا تَنَفَّسَ ۝ اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝
ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝
مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ وَّمَا صَاحِبُكُمْ
بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَّلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ
الْمُبِيْنِ ۝ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ
بِضَنِيْنٍ ۝ وَّمَا هُوَ بِقَوْلِ شَيْطٰنٍ
رَّجِيْمٍ ۝

پس قسم کھاتا ہوں میں پھر جانیوالوں، سیدھے چلنے والوں، تھم رہنے والوں کی اور رات کی جب جانے لگے اور صبح کی جب دم بھرے۔ تحقیق یہ قول پیغام پہنچانے والے بزرگ کی ہے۔ قوت والا ہے۔ صاحبِ عرش کے نزدیک مرتبے والا مطیع اور پھر امانتدار اور صاحب تمہارا دیوانہ نہیں اور البتہ یقیناً دیکھا ہے اس نے اس کو ظاہر کنارے میں اور وہ غیب کی بات پر بخیل نہیں اور یہ قران راندے ہوئے شیطان کا قول نہیں۔

ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "میں قسم کھاتا ہوں کہ یہ قرآن مجید ایسے فرشتہ کا کلام ہے جو اللہ

تعالیٰ۔ جو قرآن کے نازل فرمانے والے ہیں کے نزدیک بزرگی اور کرامت والا ہے۔ وہ فرشتہ قوت والا ہے جو قرآن مجید وہ لے کر آتا ہے اس میں کوئی جن یا دوسرا فرشتہ کمی و بیشی نہیں کر سکتا۔ یہ فرشتہ یعنی جبرائیل علیہ السلام اپنے پروردگار کے قرب میں نہایت اعلیٰ وارفع مقام پر متمکن ہے طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عرش پر نہایت فرمانبردار بن کر رہتا ہے اور وحی لانے میں نہایت امانتدار واقع ہوا ہے (نہ کسی کو کمی و بیشی کرنے دیتا ہے اور نہ خود ایسا کرتا ہے)

حضرت علی بن عیسٰی الرمانی النحویؒ فرماتے ہیں۔ "ان آیات میں یہاں رسول سے مراد جناب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جن صفات عالیہ کا ذکر کیا گیا ہے وہ سب آپکی ذات ستودہ صفات کی ہیں"

مگر دیگر مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں "رسول" سے جبرئیل امینؑ مراد ہیں اور یہ صفات ان کی ہیں۔

وَلَقَدْ رَاٰہ۔ یعنی جناب صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ کیا دیکھا یا کسے دیکھا؟ اس میں مفسرین کرامؒ کا اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں آپ نے اپنے پروردگار کو دیکھا۔ جبکہ دوسرے حضرات کا خیال ہے کہ جبرائیل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل وصورت میں دیکھا۔

وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ ۔ یہاں "ضَنِینٍ" کی قراءت میں قراء کا اختلاف ہے لہٰذا معنی میں بھی اختلاف واقع ہوا۔

۱۔ جناب ابن کثیرؒ، ابی عمروؒ اور کسائیؒ نے "ضنین" کو "ظ" کے ساتھ "ظنین" پڑھا ہے۔ ان کے مطابق یہاں معنی ہوئے۔ "وہ غیب کی خبریں پہنچانے میں متہم نہیں۔

۲۔ جناب نافعؒ، عاصمؒ، حمزہؒ اور ابن عامرؒ نے "ضنین" (بالضاد) پڑھا ان کے مطابق معنے ہوتے وہ غیب (یعنی قرآن حکیم) کی طرف دعوت دینے اور اس میں مذکورہ احکام اور اس میں بیان کردہ یا مستنبط علوم کے پرچار میں بخل سے کام نہیں لیتے۔"

اور تمام مفسرین حضرات کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ہے۔

آیات کا چوتھا سلسلہ

نٓ ۚ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۚ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْرًا

ن۔ اور قسم ہے اور اس کی جو کچھ وہ لکھتے ہیں آپ اپنے پروردگار کی نعمت سے دیوانے نہیں

غَيْرَ مَمْنُوْنٍ ۝ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُوْنَ ۝ بِاَيِّكُمُ الْمَفْتُوْنُ ۝ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝ فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝ وَدُّوْا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُوْنَ ۝ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِيْمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا قَالَ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ ۝

(القلم ۱ تا ۱۶)

اور یقیناً آپ اعلیٰ اخلاق والے ہیں۔ پس جلد ہی دیکھ لوگے تم بھی اور وہ لوگ بھی کہ تم میں سے کون فتنہ میں ہے۔ یقیناً تیرا پروردگار جانتا ہے کہ کون اس کی سیدھی راہ سے بھٹکا اور وہ خوب جانتا ہے کہ کون لوگ راہ پانے والے ہیں۔ پس جھٹلانے والوں کا کہا مت مان وہ چاہتے ہیں کہ کیا اچھا ہو کہ تم سستی کرو تو وہ بھی سستی کریں اور مت کہنا مان ہر قسم کھانے والے، ذلیل، عیب کرنے والے، چغل خور کا کارِ خیر سے منع کرنیوالا، حد سے نکل جانیوالا گنہگار، گردن کش اور پھر بے نصیب۔ اس واسطے کہ وہ صاحبِ مال اور اولاد تھا جب اسکے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتیں تو وہ کہتا ہے کہ (فرسودہ) کہانیاں ہیں پچھلے لوگوں کی۔ عنقریب ہم اسکی ناک پر داغ دیویں گے۔

اللہ تعالیٰ جل شانہٗ نے کفار کی تحقیر و تکذیب کے مقابلہ میں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزگی اور برأت ثابت کرنے کے لئے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر عظیم الشان قسمیں کھائی ہیں۔ یہاں ان آیات میں بھی اسی نوع کی قسم کھائی گئی ہے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جناب صلی اللہ علیہ وسلم کو (جب آپ کفار کی بار بار تکذیب سے دل برداشتہ ہوجاتے تو) اپنی طرف مانوس کیا اور (دعوت و تبلیغ کے لئے) آپ کی امنگوں کے دامن کو پھیلایا۔ جیسے اپنے عمدہ اور دلجوئی کرنے والے انداز میں جناب صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کیا۔

مَا اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ۝ — اور تو خدا کا تجھ پر انعام ہے کہ — دیوانہ نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کا آپ سے یہ اندازِ تکلم خطاب کی نہایت درجہ کی پاکیزگی اور نہایت اعلیٰ درجے کا ادب ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان نعماءِ عظمیٰ کی خبر دی جو آپ کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانہ عامرہ میں لکھی ہیں وہ نعماء دائمی ہیں اور ان کا ثواب غیر منقطع ہے۔ نہ کوئی عدد ان کے شمار

کو پہنچ سکتا ہے اور نہ ان کا آپ پر احسان جتلایا جاتا ہے۔ ارشاد ہے۔

اِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ ۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو انعامات کئے اور احکامات کے افہام وتفہیم کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو (جو اعلیٰ درجہ کی) رہنمائی اور ہدایت عطاء کی، اس کی تعریف فرمائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی ظاہر کرنے کے لئے اس کا اعلان تاکیدی حروف سے کیا۔ ارشاد ہے۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ ۔ اور یقیناً بلاشبہ تو اعلیٰ اخلاق کا مالک ہے۔

یہاں تاکید کا حرف "ل" ہے۔

اس آیت میں لفظ خلق کی تفسیر میں مفسرین حضرات کے متعدد اقوال ہیں۔

۱۔ خلق سے مراد "قرآن حکیم" ہے۔

۲۔ خلق سے مراد "اسلام" ہے۔

۳۔ آپؐ کا "کریم النفس" ہونا مراد ہے۔

۴۔ اس آیت کے یہ معنی بھی لئے گئے ہیں۔ "آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد وحید اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔

۵۔ واسطی فرماتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حسنِ قبولیت کی تعریف کی ہے جو اللہ تعالیٰ کا آپ پر خاص انعام تھا اور جس کی بدولت آپؐ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیگر انسانوں پر فضیلت دی گئی اور حسنِ قبول (جو اللہ تعالیٰ کے ہاں آپ کو حاصل تھا) کی وجہ یہ تھی کہ آپؐ کی فطرت ہی حسنِ خلق پر تھی (وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ) پس پاک ہے وہ ذات جو مہربان، کرم کرنے والا محسن، سخی، تعریف کیا ہوا ہے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کارِ خیر کو سہل فرما دیا اور اس کی طرف آپؐ کی رہنمائی فرمائی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آپ کے کریمانہ اخلاق کی وجہ سے تعریف کی اور اس عمدہ اور پاکیزہ اخلاق پر آپ کو انعامات سے نوازا۔ آپؐ پر اللہ تعالیٰ کی بخشش کسقدر بے پایاں ہیں اور احسانات کسقدر وسیع! اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی فرمائی کہ آپ کفار کی تکذیب وتحقیر کو خاطر میں نہ لائیں اور اپنے جادہ پر گامزن رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمایا کہ کفار

کو عذاب دیا جائے گا۔ ارشاد ہے۔

فَسَتُبْصِرُ وَيُبْصِرُونَ ۝ بِأَيِّكُمُ الْمَفْتُونُ ۝ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ۝

پس جلدی تو بھی دیکھ لے گا اور وہ لوگ بھی کہ تم میں سے کون فتنہ ساز ہے۔ یقیناً تیرا پروردگار جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت پانے والوں کو۔

پھر آپؐ کی تعریف کے بعد آپ کے دشمن (ولید بن مغیرہ[1] اور اس جیسے لوگوں) کی مذمت پر عطف فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رذیل اخلاق کا ذکر کیا اور اس کے بعد اس کے عیوب گنوائے اور یہ سب کچھ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر انعام اور اس دشمن کے خلاف آپ کی مدد کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کی دس سے زیادہ خصال مذمومہ کا ذکر فرمایا۔ ارشاد ہے:

فَلَا تُطِعِ الْمُكَذِّبِينَ ۝ وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ ۝ وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَهِينٍ ۝ هَمَّازٍ مَشَّاءٍ بِنَمِيمٍ ۝ مَنَّاعٍ لِلْخَيْرِ مُعْتَدٍ أَثِيمٍ ۝ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ زَنِيمٍ ۝ أَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ ۝ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِ آيَاتُنَا قَالَ أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ۝ سَنَسِمُهُ عَلَى الْخُرْطُومِ (القلم)

پس آپ جھٹلانے والوں کی بات نہ مانیں وہ چاہتے ہیں کہ کیا اچھا ہو کہ تم سستی کرو تو وہ بھی سستی کریں اور مت کہنا مان ہر قسم کھانے والے، ذلیل، عیب کرنے والے چغل خور کا کار خیر سے منع کرنے والا، حد سے نکل جانے والا گنہگار، گردن کش اور پھر بے نصیب۔ اس واسطے کہ وہ صاحب مال اور اولاد تھا جب اس کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتا ہے کہ (فرسودہ) کہانیاں ہیں پچھلے لوگوں کی عنقریب ہم اسکی ناک پر داغ دیویں گے۔

اور اس کے رذائل کا اختتام اسکی بدبختی اور ہلاکت کے ساتھ اس کے خاتمہ کی سچی وعید پر فرمایا:۔

(باقی صـ ۲۲ پر)

ا۔ بعض نے لکھا ہے یہ اخنس بن شریق تھا۔ بعض نے ابوجہل کہا ہے۔ کما فی "نسیم الریاض" شرح الشفاء عن خفاجیؒ

از
جناب اکبر لاہوری
مرسلہ
جناب حاجی رشید احمد صاحب لاہور

نعت

کلامِ خدا ہے کلامِ محمدؐ
ہماری عبادت ہے نامِ محمدؐ

پلا ساقیا نورِ جامِ محمدؐ
ہے آنکھوں سے اوجھل مقامِ محمدؐ

جہاں میں لقب جسکا سدرہ نشیں ہے
وہ ہے طائرِ زیرِ دامِ محمدؐ

ادھر جسکی تعریف عرش بریں ہے
وہ ہے نردباں زیرِ بامِ محمدؐ

یہ نغمہ ستاروں سے میں نے سُنا ہے
کہ ہے دورِ گردوں بکامِ محمدؐ

ترے قلب پر سحر ہے قادیاں کا
تو اے بے خبر از مقامِ محمدؐ

دل اک تیرہ و تار زنداں ہے اکبرؔ
کہاں ہے شعاعِ پیامِ محمدؐ

اسلامی نظامِ عدالت

قسط : ۳

حضرت مولانا محمّد مرزا گل صاحب مدظلہٗ مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

الشہادۃ و الشاہد وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتَانِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۔

"شہادت" کے لغوی معنیٰ ہیں کسی واقعہ کی صحت کی خبر دینا، مشاہدہ اور معائنہ کے بعد۔ اصطلاحِ فقہاء میں شہادت کے معنیٰ ہیں حاکم کی عدالت میں بلفظ "شہادت" کسی واقعہ وحادثہ کی صحت سے خبر دینا مشاہدہ و معائنہ کے بعد۔ اگر معاملہ مسموعات سے ہے تو شہادت کے لئے سماعت ضروری ہے۔ اگر معاملہ مبصرات کا ہے تو شہادۃ کے لئے دیکھنا ضروری ہے۔ صحت شہادت کے لئے شرط یہ ہے کہ شاہد عاقل و بالغ ہو اگر مشہود علیہ مسلمان ہو تو شاہد کے لئے اسلام بھی ضروری ہے۔ البتہ شرط عدالت میں اختلاف ہے۔ بعض علماء کے نزدیک عدالت شرط صحت ہے اور بعض علماء کے نزدیک یہ شرط اولویت ہے۔ ادائے شہادت بذمہ شاہد بوقتِ مطالبہٗ مدعی واجب ہوتا ہے۔ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا یا جس وقت مدعی کا حق ضائع ہونے کا خطرہ ہو۔ جیسی جھوٹی شہادۃ دینی گناہ کبیرہ ہے اور جھوٹا گواہ عند اللہ سخت مجرم ہے۔ ایسی ہی سچی شہادت کا چھپانا بھی گناہ کبیرہ ہے اور سچی شہادۃ سے انکار کرنے والا عند اللہ سخت مجرم ہے۔ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۔ البتہ حدود اللہ میں شاہد کو اختیار ہے کہ مرتکب گناہ کے خلاف گواہی دے دے یا اس پر پردہ ڈال دے، لیکن فسق و فجور کے زمانہ میں جیسا کہ آجکل کا زمانہ ہے کہ بے حیائی عام ہے اور بر سر بازار فسق و فجور ہو رہا ہے اور محرمات خدا کا کوئی احترام نہیں ہے ایسے وقت میں اقامت حدود کے لئے شہادۃ دینا باعثِ اجرِ عظیم ہے، کیونکہ سرورِ دو عالم پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے۔

من عمل بسنتی عند اختلاف امتی فلہ اجر مأۃ شہید ۔

آجکل سنتِ پیغمبر تو درکنار محرماتِ قطعی کا اور احکام فرضیہ کا کوئی احترام نہیں ہے۔

اقسامِ شہادۃ ۱۔ ثبوتِ زنا کے لئے چار عادل مردوں کی شہادت ضروری ہے۔ اس میں عورت کی شہادۃ یا چار سے کم کی شہادت قابلِ اعتبار نہیں۔

۲۔ زنا کے علاوہ باقی حدود و قصاص میں ثبوت کے لئے دو عادل مردوں کی شہادۃ ضروری ہے اس میں بھی عورت کی شہادت قابلِ اعتبار نہیں۔

۳۔ حدود و قصاص کے علاوہ باقی دیوانی خصومات میں چاہے دعویٰ مال ہو چاہے دعویٰ حق ہو اس میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادۃ ضروری ہے۔ دیوانی خصومات جیسے نکاح، طلاق، عتاق، وصیت، وکالت، نسب وغیرہ میں صرف عورتوں کی شہادۃ قابلِ قبول نہیں۔ چاہے تعداد میں زیادہ کیوں نہ ہوں۔ جب تک ان کے ساتھ مرد نہ ہو ان کی شہادۃ قابلِ اعتبار نہیں ہے۔

۴۔ ثبوت ولادت، بکارۃ یا ایسے عیوب جو عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں اور ایسے اندام میں جس کی طرف مرد دیکھ نہیں سکتا اس میں ایک عورت کی شہادۃ بھی قابلِ اعتبار ہے، لیکن دو تین عورتوں کی شہادۃ زیادہ بہتر ہے۔ ہر شہادۃ میں لفظِ شہادۃ یا اسکے ترجمہ کا استعمال لازمی ہے۔

شروطِ شہادۃ شہادۃ کی قبولیت کے لئے شاہد کا اسلام، حریت، عقل، بلوغ اور عدالت ضروری ہے۔ جب تک اوصاف مذکورہ شاہد میں موجود نہ ہونگے شہادت قابلِ اعتبار نہیں ہوگی۔ بشرطیکہ جس کے خلاف شہادۃ دیتا ہے وہ بھی مسلمان ہو باقی شروط اتفاقی ہیں۔ شرط عدالت میں کچھ اختلاف ہے۔ قرآنی حکم تو یہ ہے۔ وَاَشْہِدُوْا ذَوَیْ عَدْلٍ مِّنْکُمْ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّہَدَاءِ۔ لہٰذا قرآنی فیصلہ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جب تک شاہد عادل نہ ہو شہادۃ قابلِ قبول نہیں ہے اور مناسب بھی یہی ہے، کیونکہ جو شخص باقی محظورات دین سے پرہیز و اجتناب نہیں کرتا وہ دروغ گوئی سے بھی اجتناب نہیں کریگا اور جب تک شاہد اور شہادت میں صداقت نہیں ہے وہ شہادۃ قابلِ اعتبار نہیں، لیکن قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت منسوب ہے کہ اگر فاسق انسان بھی وجیہہ الناس اور با مروّۃ آدمی ہو اسکی شہادۃ قابلِ اعتبار ہے، کیونکہ وہ اپنی عزت و وقار اور مروّت کی خاطر دروغ گوئی اور جھوٹی شہادت سے اجتناب کرے گا۔ اس مسئلہ میں اگرچہ باقی فقہاء عدالتِ شاہد پر مُصر ہیں کہ جب تک گواہ عادل نہیں ہے شہادۃ قابلِ قبول نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم کا منصوص فیصلہ یہ ہے کہ شاہد عادل ہو، لیکن بات یہ ہے کہ تغیر ازمنہ اور تغیر احوال کو تغیر

احکام میں دخل ہے۔ اگر اب بھی وصفِ عدالت ہر شاہد میں شرط قرار دیدی جائے جیسا کہ اکثر فقہا کا مسلک ہے تو شاید اس دورِ حاضرہ میں بہت سے حدود و حقوق الناس ضائع ہوں، کیونکہ عدالتِ مشروط کی تعریف اور تحدید کے مطابق دورِ حاضرہ میں شاہد ملنا مشکل و دشوار ہے۔ عدالت مشروط فی الشہادۃ عند الفقہاء کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ شخص جس کے اعمالِ حسنہ اعمالِ سیئہ سے زیادہ ہوں اور ہر وہ گناہ جو موجبِ حدود قصاص اور تعزیر ہے اس سے اجتناب کرتا ہے۔ تعریف مذکورہ کا خلاصہ یہ ہے کہ کبائر سے پرہیز کرنا اور صغائر پر مداومت اور اصرار نہ کرنا، البتہ کبھی کبھی کوئی شخص صغیرہ کا ارتکاب کرتا ہے تو یہ مسقط عدالت نہیں ہے۔ فقہاء اس تعریف پر یہ فروع مرتب کرتے ہیں کہ میراثی، ہیجڑہ، ماتم کرنے والا، رقص و سرود کرنے والا، چاہے مرد ہو چاہے عورت، شرابی، زانی، لوطی، تہمت طراز، شہرت یافتہ دروغ گو، کبوتر باز، حمام میں برہنہ نہانے والا، اجنبیہ عورتوں کی طرف دیکھنے والا، سُود خور، جوا باز، شطرنج یا باقی کھیلوں میں ایسا انہماک رکھنا جو ترک صلوٰۃ کا باعث بن جائے۔

یا افعالِ خسیسہ کا ارتکاب کرنے والا، جیسا برہنہ بیٹھ کر پیشاب پاخانہ کرنا یا راستہ چلتے کھانا پینا یا مسلمان کی غیبت کرنے والا یا ظاہراً گالی گلوچ دینے والا وغیرہ وغیرہ یہ سب لوگ ساقط العدالت ہیں کیونکہ جو افعال و احوال سے اجتناب نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ وہ دروغ گوئی سے بھی پرہیز نہیں کرے گا۔ بہرحال فقہاء جو عدالت کی تعریفات کرتے ہیں اور ان تعریفات پر جو فروعات مرتب کرتے ہیں اگر آجکل بھی عدالت اسلامی کی کارروائی ان پر موقوف رکھی جائے تو اضاعت حدود و حقوق کا خطرہ ہے اور اصلاح عالم کے لئے اقامت حدود اور ایصال حقوق بھی نہایت اہم مسائل ہیں۔ اسی وجہ سے قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو خلیفہ ہارون الرشید کے دور میں قاضی القضاۃ تھے اور نظام عدالت میں کافی اصلاحات بھی کر چکے تھے انہوں نے یہ قانون پاس کیا تھا کہ اگر شاہد وجیہہ الناس اور باوقار شخص ہے اور اس میں سچائی اور صداقت کے نشانات و آثار ظاہر ہیں تو اس صورت میں یہ شہادت قابلِ قبول ہے۔ لہٰذا آجکل بھی اگر قاضی عدالت اور جج صاحب اپنی مہارت و فراست سے شاہد کی شہادت میں صداقت اور سچائی کے آثار دیکھتے ہیں کہ یہ شہادۃ صداقت پر مبنی ہے تو اس شہادت کے مطابق فیصلہ صادر کر سکتا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اگر حاکم عدالت اور اسلامی قاضی فاسق شاہد کی شہادت کے مطابق فیصلہ نافذ کرتا ہے تو عند الاحناف یہ فیصلہ نافذ ہوگا اور یہ شرعی فیصلہ مانا جائے گا۔

جن جرائم اور معاصی کی وجہ سے انسان مردود الشہادۃ بن جاتا ہے اور اسکی شہادۃ ردّ کی جاتی ہے اگر ان جرائم کے ارتکاب کے بعد اس پر حد شرعی قائم ہوجاتی ہے یا وہ خلوصِ قلب کے ساتھ ان جرائم سے تائب ہوجاتا ہے تو وہ پھر مقبول الشہادۃ بن جاتا ہے اور اسکی شہادۃ قابلِ قبول ہوگی، کیونکہ پیغمبر خدا کا فرمان ہے۔ التائب من الذنب کمن لاذنب لہ ۔ البتہ کسی پاکدامن مرد یا عورت پر زنا کی تہمت رکھنے والے کی شہادۃ قابلِ قبول نہیں ہے۔ اگرچہ اس پر حد شرعی بھی قائم ہوجائے اور وہ تائب بھی ہوجائے، کیونکہ بمقتضی اس آیت وَلَا تَقْبَلُوا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ردِ شہادۃ اسکی حد اور سزا میں داخل ہے۔ اگر ایک عادل شاہد نے حاکم کے سامنے عدالت میں شہادۃ دی اور ادائے شہادۃ کے بعد بیٹھے بیٹھے اسی عدالت میں پھر قاضی کے سامنے کہتا ہے کہ مجھ سے شہادۃ میں کچھ کمی زیادتی ہوئی ہے اور دوبارہ اپنی شہادت کی تصحیح کرتا ہے تو یہ تصحیحِ شہادت درست ہے اور یہ شہادۃ قابلِ قبول ہے۔ اگر مجلس سے اٹھ کر پھر دوبارہ آکر اپنی شہادۃ کی تصحیح کرتا ہے تو یہ تصحیح معتبر نہیں ہے۔ اور یہی حکم مدعی کا بھی ہے اگر مدعی بیانِ دعویٰ کے بعد فوراً اٹھنے سے پہلے پہلے اپنے دعویٰ کی تصحیح کرتا ہے یا بیان حدود میں مدعی یا شاہد سے غلطی ہوجاتی ہے یا بیان نسب ونسبت میں غلطی ہوجاتی ہے اور اٹھنے سے پہلے پہلے قاضی کے سامنے تصحیح کرتا ہے تو یہ تصحیح درست ہے اور دعویٰ وشہادۃ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا، کیونکہ کبھی کبھی انسان پر عدالت کی دہشت پڑ جاتی ہے اور بیان میں غلطی کرجاتا ہے۔ جن معاملات وتصرفات اور حوادثات کے متعلق شاہد شہادۃ دیتا ہے انکا تعلق دیکھنے سے ہوگا یا سننے سے۔ جیسے عقد، بیع، شرا، اقرار، قتل، فیصلۂ حاکم، ضرب وشتم، غصب سرقہ وغیرہ، ان امور کے متعلق اگر کوئی شاہد شہادۃ دینا چاہتا ہے تو پہلے مشاہدہ ومعائنہ شرط ہے اگر دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے تو دیکھنا ضروری ہے۔ اگر سننے سے تعلق رکھتا ہے تو سماعت ضروری ہے۔

قال اللہ تعالیٰ الا من شهد بالحق وهم يعلمون ٥ وقال النبی الکریم اذا علمت مثل الشمس فاشهد والا فدع ۔ بہرحال شاہد جس معاملہ کے متعلق شہادۃ دیتا ہے اس کے متعلق علم قطعی اور یقین ہونا چاہیئے۔ ایسے ہی تحریری ثبوت پر بھی شہادت نہیں دے سکتا۔ جب تک واقعہ یاد نہ ہو۔ مثلاً ایک شخص کسی رجسٹر میں اپنی تحریری شہادۃ دیکھتا ہے کہ میں نے فلاں معاملہ میں شہادۃ دی ہے اور اپنے دستخط بھی دیکھتا ہے، لیکن اسکو یہ معاملہ یاد نہیں ہے تو اس صورت میں شہادۃ نہیں دے سکتا۔ جب تک یہ معاملہ یاد نہ ہو۔ ایسا ہی ایک شخص نے کسی شاہد کو دیکھا کہ وہ کسی معاملہ میں شہادۃ دیتا ہے اور یہ شخص یہ

شہادت سنتا ہے یا کوئی اصلی شاہد اپنی طرف سے کسی شخص کو نائب بنا کر عدالت میں شہادۃ دینے کے لئے بھیجتا ہے اور یہ شخص بھی اس نقل اور تحمیل شہادۃ کو سنتا ہے تو اِن دونوں صورتوں میں یہ شخص صرف اس سماعت سے اس معاملہ میں شہادۃ نہیں دے سکتا ہے جب تک اصلی گواہ نے اسکو بھی شاہد نہ بنایا ہو

البتہ چند مسائل ایسے بھی ہیں جن میں معتبر موثوق خبر پر بھی شاہد شہادۃ دے سکتا ہے۔ اگرچہ شاہد کو اس معاملہ میں علم بالمشاہد والمعائنہ حاصل نہ بھی ہو، وہ مسائل یہ ہیں۔ نسب۔ موت، نکاح، عہد حکومت، وقف دخول، قبضہ ومالکانہ تصرفات۔

نسب | مثلاً ایک لڑکا ایک شخص کے ساتھ رہتا ہے اور آپس میں سلوک وتعلقات ایسے رکھتے ہیں جیسا باپ بیٹا اور عوام بھی یہ کہتے ہیں کہ یہ باپ بیٹا ہیں تو اس صورت میں دیکھنے اور سننے والا یہ شہادۃ دے سکتا ہے کہ یہ باپ بیٹا ہیں اگرچہ اسکو بالمشاہدہ یہ معلوم نہیں ہے کہ یہ اسکی منکوحہ بی بی سے پیدا ہوا ہے۔

موت | ایک شخص کی موت کے متعلق معتمد اور معتبر لوگوں سے یہ خبر سنتا ہے کہ فلاں شخص مرگیا تو اس معتبر خبر کے بعد یہ شخص میت کی موت کے متعلق شہادۃ دے سکتا ہے۔ اگرچہ یہ شاہد بوقت نزع یا میت کے جنازہ کفن ودفن کے وقت حاضر نہ بھی ہو۔

نکاح | ایک شخص موثوق اور معتبر ذریعہ سے یہ خبر سنتا ہے کہ فلاں شخص اور فلانی عورت کے درمیان عقد نکاح ہوچکا یا فلانی عورت فلاں شخص کی منکوحہ بیوی ہے تو سامع اسی تزویج کے متعلق شہادۃ دے سکتا ہے اگرچہ یہ خود عقد نکاح میں ایجاب وقبول کے وقت حاضر نہ بھی ہو۔

عہدہ | ایک شخص موثوق اور معتبر ذرائع سے یہ خبر سنتا ہے کہ فلاں شخص کو حکومت اور صدر مملکت نے فلاں علاقہ کا قاضی یا حاکم یا گورنر یا تحصیلدار بنایا۔ یا فلاں شخص حکومت کی طرف سے فلاں علاقہ کا قاضی، حاکم یا کسی اور عہدہ پر فائز ہے تو اس صورت میں یہ سننے والا اس عہدہ کے متعلق شہادۃ دے سکتا ہے اگرچہ یہ خود بوقت تفویضِ عہدہ حاضر نہ ہو اور تقرری کے الفاظ اس نے اپنے کانوں سے نہ بھی سنے ہوں۔

وقف | ایک شخص کو معتبر خبر سے یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ فلاں شخص نے فلاں مسجد اور مدرسہ کے نام یہ جائداد وقف کی ہے یا یہ سنتا ہے کہ یہ جائداد فلاں مدرسہ یا مسجد کے نام وقف ہے تو اس صورت میں یہ سامع اس جائداد کے وقف ہونے کی شہادۃ دے سکتا ہے۔ اگرچہ یہ بوقت وقف حاضر نہ بھی ہو۔

دخول دخول کا مسئلہ یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص ایک مرد و عورت کو دیکھتا ہے کہ دونوں ایک مکان میں رہتے ہیں اور آپس میں سلوک اور میل جول میاں بیوی جیسا رکھتے ہیں تو دیکھنے والا اس بات کی شہادت دے سکتا ہے کہ یہ عورت اس کی مدخولہ ہے۔ اگرچہ اس نے اس کا مشاہدہ نہیں کیا ہے۔

قبضہ و تصرفات ایک شخص کسی جائداد پر قابض ہے اور اس میں مالکانہ تصرفات کرتا ہے اور ایک شخص یہ قبضہ و تصرفات دیکھتا ہے تو یہ دیکھنے والا شخص قابض و متصرف کی ملکیت کے متعلق شہادۃ دے سکتا ہے اگرچہ اسکو ملکیت کے اسباب معلوم نہ بھی ہوں کہ یہ کس سبب سے اس جائیداد کا مالک بنا ہے۔

ان معاملات مذکورہ کے علاوہ جب تک انسان کو ذاتی مشاہدہ و معائنہ کے ذریعے علم حاصل نہ ہو وہ شہادت نہیں دے سکتا ہے۔ شہادت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ شاہد کو مدعی نے اپنے معاملے میں گواہ بنایا ہو۔ بلکہ شاہد کو جب بھی کسی معاملے کی حقیقت معلوم ہو تو بوقت ضرورت بغیر مطالبہ مدعی اس معاملہ کے متعلق وہ شہادۃ دے سکتا ہے۔

وہ اشخاص جنکی شہادہ مقبول ہے اور وہ کہ جنکی شہادۃ نامقبول ہے نابینا کی شہادت مقبول نہیں ہے۔ آقا کی شہادت غلام کے لئے غلام کی شہادت آقا کے لئے اور غیر آقا کے لئے مقبول نہیں ہے۔ اصول کی شہادۃ فروع کے لئے اور فروع کی شہادۃ اصول کے لئے مقبول نہیں ہے۔ یعنی آباؤ اجداد کی شہادۃ اولاد کے لئے اور اولاد کی شہادۃ اپنے آباؤ اجداد کے لئے قابلِ قبول نہیں ہے۔ شوہر کی شہادۃ بیوی کے لئے اور بیوی کی شہادۃ شوہر کے حق میں مقبول نہیں ہے۔ ایسا ہی عفیف و عفیفہ پر تہمت زنا لگانے والا، اگرچہ اس پر حد شرعی بھی قائم ہو چکی ہو اور وہ تائب بھی ہو چکا ہو، کمپنی والوں کی شہادۃ آپس میں ایکدوسرے کے لئے مال مشترکہ میں مقبول نہیں ہے۔ اہل الذمہ کی شہادۃ آپس میں قابلِ اعتبار ہے۔ یعنی جو غیر مسلم اسلامی مملکت میں آباد ہیں جن کو اہل الذمہ کہا جاتا ہے ان کی شہادت آپس میں ایکدوسرے کے لئے قابل قبول ہے غیر مسلم کی شہادۃ مسلم کی بابت قابلِ اعتبار نہیں اور نہ غیر مسلم کا فیصلہ مسلم کے متعلق قابل اعتبار ہے۔ حکامِ حکومت کی شہادۃ قابلِ اعتبار ہے بشرطیکہ وہ ظالم نہ ہوں اور نہ ظلم کے معاون ہوں۔ البتہ قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا مسلک یہاں بھی جاری رہے گا کہ اگر ملازم یا آفیسر حکومت ظالم ہے، لیکن صاحبِ وقار و مروّت ہے اور حاکم عدالت بھی جانتا ہے کہ یہ اپنی وجاہت کا لحاظ کر کے جھوٹی شہادۃ نہیں دیگا تو اس صورت میں عمّالِ حکومت کی شہادۃ بھی قابلِ قبول ہے۔ مرید کی شہادۃ اپنے پیر کے لئے، شاگرد کی شہادۃ

استاذ کے لئے اور خادم و نوکر کی شہادۃ مخدوم و مالک کے لئے قابلِ قبول نہیں ہے۔ بہرحال شہادۃ کے معاملہ میں قاضی و حاکمِ عدالت کی مہارت و فراست کو پورا دخل ہے حاکم عدالت و قاضی شریعت کو نہایت یقظان اور بیدار مغز ہونا چاہیئے کہ قوانین شرعیہ کے علاوہ مزاج شناس، اصلاحات و محاورات اور قوم کے بود و باش سے پوری واقفیت رکھتا ہو اور ہر علاقہ و خطہ کا حاکم و قاضی وہ شخص ہونا چاہیئے جو علاقہ کی زیست و تمدن، لغات، محاورات سے پوری طرح واقف ہو۔

بقیہ: الشفاء

سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ۔ ہم جلد اسکی ناک پر داغ دیں گے۔

پس اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی دشمن کے خلاف مدد فرمائی وہ آپ کے اپنے نفس کے لئے دشمن کے مقابلہ میں دفاع سے مکمل ہوگئی۔ دراصل آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لئے کسی سے بدلہ نہیں لیا کرتے تھے۔ یہاں ولید بن مغیرہ کے مقابلہ میں آپ نے جو کچھ کیا (یعنی اسے قتل کیا یا اس کی تکذیب کا جواب دیا) وہ اللہ ہی کے لئے تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت، آیات کی صورت میں نازل فرمائی۔ جن میں ولید کے رذائل شمار فرمائے، گویا اس طرح اللہ تعالیٰ کی نصرت بنی کی اپنی ذات کے دفاع سے مل کر مکمل ہوئی۔ (واللہ اعلم) اور اللہ تعالیٰ نے ولید بن مغیرہ کی اس سے بڑھ کر تکذیب فرمائی جتنی اس نے جناب صلی اللہ علیہ وسلم کی تحقیر کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بزرگی کے دیوان میں یہ اللہ کا آپ کے دشمن کے خلاف مدد کرنا بطور فضیلت جناب ثبت ہوگیا۔

شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں مدظلہ مہتمم جامعہ مدنیہ کی رائے گرامی!

دارالعلوم حسینیہ (برمی کالونی ۳۶ جی لانڈھی کراچی نمبر ۳) چند سال سے قائم ہے جس میں مسلسل پُرخلوص مدرسین کارکنان اپنی اپنی خدمات انجام دے رہے ہیں چونکہ نتائج و ثمرات بقدرِ تعلق مع اللہ ہوتے ہیں، اس لئے امید ہے کہ عنقریب یہ اچھی ترقی کرلے گا اور بڑی درسگاہ بن جائے گا۔

اہلِ برما عموماً علمِ دین کے شائق ہوتے ہیں اس لئے اس کالونی میں دینی درسگاہ کا قیام بہت ضروری اور برموقع ہے۔ جو طبقہ علم دین کا شائق ہو اُسے یہ روحانی غذا پہنچانی اور اسکی کوشش کرنی ہر مسلمان کیلئے یقیناً باعثِ اجر ہوگی۔ اسی لئے میں بھی یہ چند سطور لکھ رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو استقامت بخشے اور معاونین کرام کو اپنی بارگاہ میں قبولیت و قرب سے سرفراز فرمائے۔

اعلیٰ اخلاق کا معلّم

سرمایہ پرستی کا دشمن ○ انسانیت کا حامی ○ شرافت کا علمبردار

حضرۃ علامہ مولانا سیّد محمّد میاں مدّظلہم

دنیا دو طبقوں میں بٹ گئی ہے ۔ صاحبِ سرمایہ اور محنت کش مزدور ۔ ان دونوں کے نظریے مختلف ہیں اور اس بنا پر ان کے مفادات بھی مختلف سمجھے جاتے ہیں ۔ یہ اختلاف تصادم کی حد تک پہنچ گیا ہے ۔ پوری دنیا جو اس تصادم کی آماجگاہ ہے بحران میں مبتلا ہے ۔

اسلام ثالث بالخیر ہے دونوں کو صحیح مشورہ دیتا ہے ۔

(۱)

سرمایہ داری کے خلاف جو کچھ کتابوں میں لکھا گیا ، سیاسی پلیٹ فارموں پر کہا گیا اسکو سامنے رکھو پھر قرآن کی صرف دو آیتیں پڑھو ! کس شدت سے سرمایہ داری کے خلاف گرج رہی ہیں ۔

(۱) اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ ۔تا۔ تَکْنِزُوْنَ ط (سورہ توبہ ع ۵)

ترجمہ : جو لوگ سونے اور چاندی کے ذخیرے جوڑ کر رکھتے ہیں اور انکو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ۔ ان کو مژدہ سنا دو دردناک عذاب کا ۔ اس روز جب سونے اور چاندی کے ان ذخیروں کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان (سرمایہ داروں) کی پیشانیوں ، کروٹوں اور کمروں کو داغا جائے گا ۔ (اور بتایا جائیگا) یہ وہ ہے جو تم نے خاص اپنے لیے جوڑا تھا ۔ اب چکھو اس کو جو تم نے جوڑ کر رکھا تھا ۔

(۲) لَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ الخ (آل عمران ع ۱۸)

ترجمہ : وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس (مال) میں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے

دیا ہے۔ وہ ہرگز ہرگز نہ سمجھیں کہ ان کا یہ فعل ان کے لیے بھلائی کی بات ہے۔ نہیں نہیں یہ ان کے لیے بڑے شر اور بُرائی کی بات ہے۔ عنقریب قیامت کے دن یہ مال و متاع جس کے لیے وہ بخل کر رہے ہیں ان کے گلوں میں (عذاب) کا طوق بنا کر پہنایا جائے گا۔

مگر فرق یہ ہے کہ قرآن حکیم اللہ کے نام پر خرچ کراتا ہے اور سیاسی منادوں کی نظر پیٹ پر ہے۔ یعنی نفع اندوزی اور خود غرضی وہاں بھی اور یہاں بھی۔

(۲)

اسلام، پاداشِ عمل کا نقشہ پیش کر کے اعتدال پیدا کرتا ہے کہ مزدور اگر اقتدار حاصل کر لے تو منہ چھوٹ وحشی نہ بنے اور یاد رکھے کہ اگر سرمایہ دار کا ظلم، ظلم تھا جس کی سزا اس کو ملی تو مزدور کا جبر و قہر بھی ظلم ہے، یہ بھی اس کی قدرتی پاداشں سے نجات نہیں پا سکتا۔ از مکافات عمل غافل مشو۔

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت دماغ بیہدہ پخت و خیال باطل بست

(۳)

اسلام۔ خس و خاشاک، شجر و حجر اور انسان میں فرق کرتا ہے۔ اینٹ، پتھر اور کوڑے کر کٹ کی زندگی مشاہدہ کی حد تک ہے۔ درخت کٹ کر جل جاتے ہیں۔ اینٹ پتھر ٹوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں یہ سب زمین کی پیداوار ہیں، زمین ہی میں مل جاتے ہیں۔ گھوڑے، گدھے اور انسان میں جو فرق ہے اسلام اسکو بھی نظر انداز نہیں کرتا ہے۔ جانوروں کی زندگی کا حاصل صرف پیٹ ہے یا وہ فعل ہے جس سے نسل باقی رہ سکے، لیکن انسانوں کو اسلام ایک ایسی حقیقت قرار دیتا ہے جن کا درجہ ان سب سے بلند ہے۔ زمین سے لے کر آفتاب تک اور جہاں جہاں تک مشاہدہ کی رسائی ہو سکے۔ اسلام انسان کو ان سب کا حاکم اور فرمانروا قرار دیتا ہے۔ انسان سے بلند صرف وہ ہے جو تمام کائنات کا خالق ہے۔

اسلام انسان کو کائنات کا خلیفہ اور نائب السلطنت قرار دیتا ہے۔ اسلام انسان کو ایک ایسی حقیقتِ جاوداں قرار دیتا ہے جو موت پر ختم نہیں ہو جاتی۔ موت ایک نئی زندگی کا دروازہ یا وادیٔ حیات میں پہنچنے کا پُل ہے۔ موت فنا نہیں بلکہ انتقال ہے یا ارتقاء ہے، مگر سیاسی منّاد اس سلسلۂ حیات سے قطعاً نا آشنا ہیں۔ ان کے نزدیک انسان شہوت پرستی کا ایک کڑوا پھل ہے جو پیٹ کے لیے پیدا ہوا اور اسی

چکر میں فنا ہو جائے گا۔

(۴)

فطرت انسان وحشت پسند نہیں اس کی فطرت میں انس ہے۔ فطرت انسانی کا قیمتی جوہر محبت ہے اسی لیے وہ معاشرہ اور سماج بناتا ہے جس کی بنیاد انس و محبت پر ہے۔ ہمدردی، رواداری، باہمی تعاون آپس کا اعتماد اور بھروسہ، رحم، شفقت، مروّت، مساوات، اخوت، انسانی سماج کے چہرہ کے آنکھ ناک اور خد و خال ہیں۔ اسلام ان سب کو سامنے رکھ کر اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دیتا ہے، مگر سیاسی مناد وں کے یہاں ان سب کے جواب میں پیٹ ہے۔ ان کے تمدن اور شہریت کا حاصل صرف عیش پسندی ہے اور راحت طلبی، کوٹھی، فرنیچر، موٹر، ہوائی جہاز، ایرکنڈیشنڈ، کوچ، ان سب کا مقصد۔؟ عیش اور راحت۔

(۵)

عقل بہت بڑی دولت ہے جو انسان کو میسّر ہوئی ہے۔ اسی نے انسان کو جانوروں سے ممتاز کیا اور اسی عقل نے انسانی تمدن کی زلفیں سنواریں۔

اسلام۔ عقل کی قدر کرتا ہے، مگر اس سے بلند پروازی کا مطالبہ کرتا ہے، مادیات کے الجھاؤ میں پھنس کر نہ رہ جائے۔ آگے بڑھے۔ غور و فکر کے دائرہ کو وسیع کرے۔ پیٹ کی کائنات کے سوا کوئی اور کائنات بھی ہے۔ غور کرے اس کائنات سے بالا بھی کوئی اور ہے؟

اس کائنات کا مقصد کیا ہے؟

یہ چاند تارے گھوم رہے ہیں۔ کیا فٹ بال کا میچ ہو رہا ہے؟ یہ پورا نظام شمسی اور اب تو کہا جاتا ہے کہ ایک نظام شمسی ہی نہیں بہت سے نظام ہیں۔ کیا یہ بساط شطرنج ہیں یا کسی کلب کا تماشہ۔ کیا یہ ڈانس ہو رہا ہے؟

سُنو! ایک آواز ہے سچی آواز۔

سُنو! قرآن کیا کہتا ہے۔ (قرآن کہہ رہا ہے)

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ تا فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران۔ ع ۲۰)

ترجمہ: آسمان اور زمین کی تخلیق میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آتے رہنے میں بڑی ہی نشانیاں ہیں، اصحاب عقل و دانش کے لیے۔ وہ ارباب دانش جو (صرف مادیات کے گھروندہ میں گھر کر اور قید ہو کر نہیں رہ جاتے بلکہ اس سے بلند ہو کر اپنے خالق کو اس طرح یاد کرتے ہیں کہ کسی حال میں بھی اس سے غافل نہیں ہوتے) وہ اپنے خالق اور رب کی یاد سے بھی غافل نہیں ہوتے وہ ذکر اور یادِ خدا کے ساتھ فکر سے بھی خالی نہیں ہوتے وہ آن انسانوں اور زمین کی پیدائش اور تخلیق کے بارے میں غور کرتے رہتے ہیں (کیا یہ یونہی بیکار، سامان تفریح اور کھیل تماشہ کے طور پر عالم وجود میں بکھر پڑے یا ان کی پیدائش ان کے مضبوط نظام اور اس عجیب و غریب کاریگری کا کوئی مقصد ہے اس ذکر و فکر کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ پکار اٹھتے ہیں) خدایا یہ سب کچھ تو نے پیدا کیا ہے تو بلا شبہ بیکار اور عبث نہیں پیدا کیا۔ ضروری ہے کہ یہ کارخانہ ہستی جو اس حکمت و خوبی کے ساتھ بنایا گیا ہے کہ عقل انسانی ہر قدم پر حیرت و استعجاب کا توشہ لیکر آگے بڑھتی ہے۔ یہ کارخانہ ہستی یقیناً کوئی مقصد اور غایت رکھتا ہے یقیناً تیری ذات اس سے پاک ہے کہ بیکار اور بے مقصد کوئی کام اس سے صادر ہو۔ خدایا ہمیں عذاب آتش سے (جو کوتاہ نظری اور غفلت کے نتیجہ میں دوسری زندگی میں پیش آنے والا ہے) بچائیو۔

عقل کا نور تاباں اور جوہر درخشاں اگر مادیات کے ظلمات ہی میں بھٹک کر رہ گیا، اقتصادیات کے دائرہ ہی کو اس نے اپنی آخری حد بنا لیا اور قومی سیاست کے جوڑ توڑ یا بین الاقوامی پالیٹکس کے گٹھ جوڑ سے آگے نہیں بڑھا۔ نہ بڑھنے کا ارادہ کیا تو یقین کر لو کہ اچھی توفیق کی برکت اس سے چھین لی گئی وہ انسانی عظمت کے اعلیٰ تقاضوں سے محروم کر دیا گیا، اللہ نے اس کے دل پر مہر لگا دی، آنکھوں پر پردہ ڈال دیا اور کانوں پر ایسا کنٹوپ چڑھا دیا کہ اس کی سماعت بیکار ہو کر رہ گئی۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوۡبِہِمۡ وَعَلٰی سَمۡعِہِمۡ وَعَلٰۤی اَبۡصَارِہِمۡ غِشَاوَۃٌ ط یہ کس نے کیا؟ خود اس نے کیا کہ اللہ کی نعمت عقل سلیم کو اعرج اور مفلوج بنا دیا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَظۡلِمُ النَّاسَ شَیۡئًا وَّلٰکِنَّ النَّاسَ اَنۡفُسَہُمۡ یَظۡلِمُوۡنَ (اللہ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا۔ لوگ خود اپنے اوپر ظلم کیا کرتے ہیں)

(سورۃ یونس)

میدانِ انقلاب ـــــ تبدیلی کہاں کی جائے ؟

عالی شان کوٹھی کے ہرے بھرے لان کے کنارہ پر موٹر گیراج کے پیچھے سرکیوں کی ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں ایک دبلی پتلی عورت اور اس کے تین چار چھوٹے بڑے بچے رینگ رہے ہیں۔ کپڑے پھٹے ہوئے، پیٹ خالی۔ چہروں پر ہوائیاں، اونچی نیچی زمین ان کا فرش اور بستر ہے۔ دو بچے اسی پر پڑے ہوئے ہیں۔ ایک کا بدن بخار سے تپ رہا ہے۔ دوسرے کے بدن پر چیچک کی پھنسیاں ہیں ہسپتال سے اسکو خارج کر دیا گیا ہے، لیکن ابھی بہت کمزور ہے۔ کچھ پھنسیاں پک بھی گئی ہیں۔

یہ کوٹھی ایک ساہوکار کی ہے۔ یہ ایک کروڑ پتی ہے اس کے کئی مل ہیں۔ فیکٹریاں ہیں۔ اس کا اپنا ایک بنک ہے۔ کوٹھی نہایت خوبصورت، عظیم الشان، بہت آراستہ، اس کا فرنیچر بھی لاکھ سوا لاکھ سے کم کا نہیں ہے۔ اس کے پاس کئی کاریں ہیں۔ بڑے بڑے افسروں سے اس کی دوستی ہے۔ کئی افسر لنچ کے وقت زیادہ تر اسی کے یہاں آجاتے ہیں۔ ہفتہ میں ایک دو دفعہ ڈنر ضرور ہوتا ہے جس میں منسٹر اور اکثر باہر کے سفیر بھی شریک ہوا کرتے ہیں۔

عورت کی وہ جھونپڑی کوٹھی کے سامنے تو نہیں ہے، لیکن جب کار گیٹ سے گذرتی ہے تو اسکا کونہ نظر آتا ہے اور باہر سڑک پر جب اس طرف کار مڑتی ہے تو وہ جھونپڑی بالکل سامنے ہوتی ہے۔ سیٹھ صاحب کی نظر اس پر پڑجاتی ہے تو گیٹ کے سنتری کو ڈانٹتے ہیں کہ جھونپڑی کیوں نہیں ہٹوا دیتے، لیکن پھر کچھ رحم آجاتا ہے۔ چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سیٹھ صاحب کی مہربانی ہے۔

لیکن کیا ڈنر اور کاک ٹیل کے وقت بھی سیٹھ صاحب کو اس غریب عورت اور اس کے بچوں کا خیال آتا ہے؟ اگر ایک پلیٹ یا ایک جام کی قیمت اس غریب کو دیدیں تو اس کا پُورا ہفتہ آرام سے بیت جائے، مگر سیٹھ جی کو کبھی اس کا خیال بھی نہیں آیا۔ اس کے سینے میں دل ہے۔ یا پچھلے دنوں جو آپریشن ہوا تھا اس میں دل کی جگہ ڈاکٹروں نے کوئی پتھر رکھ دیا ہے، مگر آپریشن سے پہلے بھی ان کا دل پتھر ہی تھا جو کبھی بھی غریبوں کی ہمدردی کے لئے نہیں پسیجتا تھا۔

اچھا یہ سنگ دلی دولت نے پیدا کی یا دولت ان کے پاس اس لئے جڑی کہ یہ سنگ دل تھے۔ جب لوگ فاقوں سے مر رہے تھے تو یہ غلہ کا بلیک کر رہے تھے۔ ان کے ایک دوست نے ان سے

ایک کٹھا خریدا تھا تو انہوں نے اس سے بھی بلیک کی قیمت وصول کی تھی۔ ان کو خبر تھی کہ دوست کا باپ بیمار ہے۔ راشن کا آٹا اسے نقصان دیتا ہے وہ ملاوٹ کا آٹا ہے۔ بیمار باپ کے لئے خالص گیہوں کے آٹے کی ضرورت تھی۔ دو تین کیلو میں پرہیزی کھانے کی ضرورت پوری ہو سکتی تھی، مگر یہ ایک کٹھے سے کم دینے پر راضی نہیں ہوتے تھے اور یہ کٹھا بھی انہوں نے بڑا احسان رکھ کر دیا تھا اور اس کے دوست نے مجبوراً خریدا تھا۔

مگر ہمارے سامنے ایسے بھی بہت سے دولت مند ہیں جن کا محل سرا بھوکوں، ننگوں کا پناہ گاہ ہوتا ہے جن کی دولت سے بہت سے خاندانوں کے پیٹ پلتے ہیں۔ قومی کاموں میں آگے بڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ بہت سے طلبہ انکے وظیفوں اور اسکالرشپ کی مدد سے تعلیمی ترقی کی اونچی اونچی منزلیں طے کرتے ہیں۔

اگر یہ سنگدلی دولت کی تاثیر ہے تو یہ اثر یہاں کیوں نہیں؟

سیاسی کھلاڑی آگے بڑھے انہوں نے دولت کے خلاف نعروں سے آسمان سر پر اٹھالیا، حکومتوں کو تہ و بالا کر دیا۔ فیکٹریوں پر قبضہ کیا۔ مزدوروں کو آزادی دی۔ انکے حقوق فرض کئے اور ان میں قانون کی قوت پیدا کر دی، زمینداره ضبط کیا، تاجروں میں بڑے بڑے ٹیکس لگائے، ترقیاتی منصوبے بنائے ان پر اربوں روپیہ خرچ کیا، مگر اس غریب دُبلی پتلی عورت کی جھونپڑی جہاں تھی وہیں رہی۔ ترقیاتی منصوبوں نے سیٹھ صاحب کی دولت میں تو اضافہ کر دیا۔ پہلے وہ فقط سیٹھ تھے اب منسٹر بھی ہو گئے، مگر اس غریب عورت اور اسکے بھوکے بچوں کا دلدّر دُور تو کیا ہوتا اس کی غریبی اور بڑھ گئی۔ پہلے پچاس پیسے میں ایک وقت پیٹ بھر جاتا تھا۔ اب ایک سو پچاس پیسوں میں بھی پیٹ نہیں بھرتا، مزدوری جتنی پہلے ملتی تھی اتنی ہی اب مل رہی ہے صرف پچیس پیسے بڑھے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہ علاج غلط ہے یا تشخیص غلط ہے، طبیب نادان ہے یا تیمار دار غلط کار، اسلام کہتا ہے تشخیص غلط ہے۔ طبیب نادان نے علامت کو مرض سمجھا۔ نتیجہ یہ ہوا۔

مرض بڑھتا رہا جُوں جوں دوا کی

دولت کی بہتات اصل مرض نہیں ہے۔ اصل مرض وہ ہے جس نے دولت میں بہتات پیدا کی۔ جس کی وجہ سے چور بازاری اور سُود کی رقم کو اس نے شیرِ مادر سمجھا اور جب منسٹر ہو گیا تو رشوت کا بازار گرم کر دیا۔

ٹھیکیداروں اور کمرشل ایجنٹوں سے اپنا کمیشن مقرر کرایا وغیرہ وغیرہ۔

یہ ہے اصل مرض یعنی دولت کی بڑھی ہوئی محبت کنجوسی اور حرص و طمع ۔ تم سوشلزم کا شور مچا کر اس کی دولت چھیننا چاہتے ہو۔ اس پر بھاری ٹیکس لگاتے ہو کہ وہ جو کچھ کمائے تمہیں دیدے ۔ روپے میں صرف دو آنے اپنے پاس رکھے چودہ آنے تمہارے حوالے کر دے۔

تم قانون بنا کر بہت خوش ہوتے کہ سرمایہ داری ختم کر دی ۔ ایک تجوری کی رقم بہت سی تجوریوں میں پہنچا دی۔ سونے پر پابندی لگا دی، افراطِ زر اور نفع اندوزی کے راستے بند دیئے، لیکن جب بجٹ بنایا گیا تو اربوں کا خسارہ تھا اور غریبی کے دامن پہلے سے زیادہ پھیل گئے تھے۔ جنتا کی مصیبت اور بڑھ گئی تھی، کیونکہ تمہارے قانون پر کہیں بھی ٹھیک طرح عمل نہیں ہوا تھا۔

جو ساہوکار بلیک کا عادی تھا جس کو چور بازاری کی چسکی پڑ چکی تھی، اس نے بلیک اور چور بازاری کے اور راستے نکال لئے ۔ انسپکٹر صاحبان دندناتے ہوتے پہنچے ، لیکن زر دیدم فولاد نرم' چاندی کے پاپوش نے تمام چوکڑی بھلا دی ۔ پہلے صرف سیٹھ جی بلیک کیا کرتے ۔ اب انسپکٹر صاحبان بھی ان کے مددگار ہو گئے ۔ رفتہ رفتہ سکریٹریٹ اور منسٹری کو بھی اپنی برادری میں شامل کر لیا ۔۔ یہ سوشلزم کی ترقی ہے یا بلیک ازم کی ؟

اصل مرض اگر دولت اور خزانہ تھا اور سیٹھ جی اس کے مریض تھے تو سرکاری عملہ کو کیا ہو گیا یہ کیوں بیمار ہو گیا یہ تو سرمایہ دار نہیں تھا۔

غور کرو اور سوچو۔ اصل مرض کیا ہے جس نے پورے سماج کو بیمار بنا دیا ۔ تم ترقیاتی منصوبوں کی آدھی مسافت طے کر چکے ہو، نتیجہ سامنے ہے ۔ پندرہ سال بعد پوری مسافت طے کر چکو گے نتیجہ کیا ہو گا ۔ اب اگر اصل منزل سے پچاس میل دور ہو گئے ہو تو پوری مسافت طے کرنے کے بعد سو میل دور ہو جاؤ گے۔

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی
کایں رہ کہ تو مے روی بترکستان است

اچھا، عرب کے ریگستان میں تقریباً چودہ سو برس پہلے ایک آواز بلند ہوئی تھی اس کی کچھ بھن بھناہٹ آج بھی کانوں میں پہنچ رہی ہے۔ بہت ہی نپے تلے اور معنی خیز الفاظ جو کانوں میں پڑ رہے ہیں ان کا تعلق اقتصادیات سے بھی ہو سکتا ہے۔ آخری فقرہ تو بہت ہی عجیب ہے ۔ پوری گفتگو کا نچوڑ ہے ۔ اس کا ایک ایک حرف

سونے سے لکھنے کے قابل ہے اور واقعہ یہ ہے کہ لوگوں نے اس کو سونے سے لکھا۔ غور سے سُنو، سُنو کیا ارشاد ہو رہا ہے۔

اَلَا وَ اِنَّ فِی الْجَسَدِ مُضْغَۃً اِذَا صَلُحَتْ صَلُحَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ کُلُّہٗ اَلَا وَھِیَ الْقَلْبُ ؕ

(بخاری شریف ص ۱۳)

ترجمہ:۔ بدن میں ایک گوشت کا لوتھڑا (پارچہ) ہے جب وہ ٹھیک ہوتا ہے تو سارا بدن ٹھیک ہو جاتا ہے۔ دیکھو وہ قلب ہے۔

(ضمیر۔ کانشنس)

اسلام یہی کہتا ہے کہ اصل بیماری دولت نہیں، اصل بیماری دلوں کی بیماری ہے۔ درستی چاہتے ہو تو دلوں کو ٹھیک کرو، انقلاب یہاں برپا کرو۔

فَاِنَّھَا لَا تَعْمَی الْاَبْصَارُ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۔

(سورہ حج)

ترجمہ: آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں وہ دل اندھے ہو جاتے ہیں جو سینوں کے اندر ہیں۔

سب سے زیادہ مؤثر علاج ایمان بالغیب ہے۔ یہ دل کے تمام امراض کے لئے تریاق ہے۔ یعنی یہ مت سمجھو کہ جو ہماری آنکھوں کے سامنے ہے بس وہی ہے جو نظر نہیں آتا اس کا وجود ہی نہیں ہے۔

نہیں نہیں اس کے سوا بھی ہے۔ بیج کا پودا اور پودے کا پھل اب نظر نہیں آتا، مگر وہ یقینی ہے ضرور سامنے آئے گا۔ ہمیں وہ بھی نظر نہیں آتا۔ جو ہمیں دیکھ رہا ہے۔ ہر وقت دیکھ رہا ہے، ہمارا ہر ایک عمل دیکھ رہا ہے، ہماری ہر ایک حرکت دیکھ رہا ہے۔ ہمیں اس کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ ہر ایک عمل کا حساب اور ہر سوال کا جواب دینا ہے۔ یہی یقین ایمان ہے۔ اس یقین کے تقاضوں کو پورا کرنا ایمان داری ہے۔ تقویٰ کی پہلی منزل یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ اسی کا دوسرا نام ضمیر کی اصلاح ہے۔ یہ اصلاح ہو جائے تو پھر ہمیں قانون کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہمارا عمل خود قانون ہوگا۔ قانون کی جان ہوگا۔ قانون بے اعتمادی کی دلیل ہے، قانون اصلاح نہیں کرتا البتہ قوم کی خرابیوں کی چغلی کرتا ہے۔

آخری منزل ملکیت کا خاتمہ

میدان سیاست کے مشہور شہسوار تیز دوڑ رہے ہیں، ہانپ رہے ہیں، سانس پھولے ہوئے ہیں، دلوں

کی دھڑکنیں بڑھی ہوئی ہیں، چہروں پہ گرد ہے، ہونٹوں سے کف ابل رہا ہے۔ حواس گم ہیں، پیٹ پر ہاتھ ہے۔ چلّا رہے ہیں کہ سیٹھ جی سے خزانہ چھین کر مزدوروں کو دیا تھا کہ جنتا کا پیٹ بھرے، ملک کی غریبی دُور ہو، اب یہ مزدور بھی سیٹھ بن گئے، وہی رشوت، بلیک مارکیٹنگ، اسمگلنگ اور جہاں سے مل سکے روپیہ چھیننے اور جمع کرنے کی ہوس، جو سیٹھ صاحب کی فطرت تھی مزدوروں کی طبیعت بنتی جارہی ہے دولت کی گردش کو پہلے تنہا سیٹھ صاحب روکے ہوتے تھے جس کی وجہ سے تقسیم مساوی نہیں ہورہی تھی، جنتا کے ہاتھ خالی اور پیٹ بھوکے تھے۔ نئے قانون سے سیٹھ جی کا زور تو ٹوٹا، لیکن نئے سیٹھوں کی، نئی دنیا جنم لینے لگی جو پہلے سے زیادہ تنگ نظر، پاپی اور زہریلی ہے۔ کیا کوئی منتر ہے کہ نئے دولتمندوں کی یہ پیدائش بند ہو۔ دولت کی تقسیم میں فرق نہ آئے۔ اور بھوکی جنتا کا پیٹ بھرے۔

سوال بہت ضروری تھا۔ سوشلزم کا سارا گھروندہ زمین پر ڈھیر ہوا جارہا تھا۔ بڑے فکر کی بات تھی۔ کانفرنس طلب کی گئی۔ ایجنڈے میں صرف یہی ایک سوال تھا کہ دولت کی تقسیم کس طرح مساوی ہو، جنتا کا پیٹ کیسے بھرے اور نئے سیٹھوں کی پیداوار کیسے رُکے۔ کئی روز تک بحث ہوئی، دل کھول کر تقریریں کی گئیں، خیالات ظاہر کئے گئے۔ سب مقرر ایک ہی پارٹی کے تھے، عام طور پر تقریروں میں یہی کہا گیا کہ جب تک دولت لوگوں کے ہاتھوں میں رہے گی۔ جب تک پبلک کے آدمی اپنی ملکیت جتاتے رہیں گے دولت کی تقسیم مساوی نہیں ہوسکتی۔ اب صرف ایک ہی علاج ہے کہ ملکیت ختم کردی جائے۔

پیداوار کے تمام ذرائع، کارخانے، مل، فیکٹریاں سب اسٹیٹ کی ہوں، پیداوار اسٹیٹ کی ہو، بلڈنگیں مکانات، کوٹھیاں، اور باغات سب اسٹیٹ کی ہوں، پھر اسٹیٹ کا کام یہ ہو کہ جنتا کا پیٹ بھرے، ان کے کھانے، پینے، رہنے، سہنے کا انتظام کرے، ہر ایک بالغ کو مرد ہو یا عورت۔ کام پر لگائے۔

تجویز مناسب تھی، جذبات کے موافق تھی، بالاتفاق منظور کی گئی۔ عقل کی کسوٹی پر پرکھنے کی ضرورت کبھی نہیں سمجھی گئی، لیکن ابھی تجربہ شروع ہی ہوا تھا کہ عائلہ (فیملی) گرہستی اور خاندان کا سوال سامنے آگیا۔ ایک سوال یہ بھی سامنے آیا کہ یہ ممکن ہے کہ ملکیت ختم ہونے کے بعد کارکردگی اور کارگزاری میں اضافہ ہو؟

(الف) انسان کی فطرت یہ ہے کہ اسے اپنے نفع سے محبت ہوتی ہے۔ وہ نفع کی خاطر بسا اوقات کام زیادہ کرتا ہے، لیکن جب زیادہ محنت کا پھل اس کو نہیں بلکہ سٹیٹ کو ملے گا تو کیا سٹیٹ کی محبت

اور اس کی ترقی کا جذبہ اس فطری محبت اور جذبہ کی جگہ لے سکے گا؟

(ب) قابلیت کا مظاہرہ اور آگے بڑھنے کا شوق بھی اسی جذبہ کی بناء پر ہوتا ہے، لیکن خاتمۂ ملکیت کے بعد جب یہ جذبہ ٹھنڈا پڑ جائے گا تو قابلیت کا مظاہرہ کیوں ہوگا اور آگے بڑھنے کے تصور میں کوئی شخص اپنی جان مصیبت میں کیوں ڈالے گا۔

(ج) ایک شخص محنت کر کے کماتا ہے۔ وہ اپنی بیوی بچوں پر خرچ کرتا ہے۔ بیوی بچوں کے اندر احسان مندی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ اس کی بات مانتے ہیں۔ اس سے گرہستی اور خانگی نظام قائم ہوتا ہے۔ وہ اپنے بیوی بچوں کو خوش رکھنے کے لئے زیادہ کمانے کی کوشش کرتا ہے۔ جس کے لئے زیادہ محنت کرتا ہے۔ اس سے ملک کی پیداوار اور وطن کی دولت میں اضافہ ہوتا ہے۔ باپ کو دیکھ کر اولاد میں بھی محنت کرنے اور آگے بڑھنے کا شوق پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کی کمائی جب اس کی اپنی نہیں بلکہ اسٹیٹ کی ہوگی اور اسٹیٹ پیٹ بھرائی کا انتظام کرے گی تو جذبات کا یہ تمام سلسلہ ختم ہو جائے گا۔

تقسیم کی صورت

پھر اسٹیٹ اس کے افراد کی ضروریات کا انتظام براہ راست کریگی یا اسکو فیملی کا ہیڈ یا گھر کا بڑا قرار دے کر ضروریات کا انتظام اس کے ذریعے کرے گی، دوسری صورت میں تقسیم کس طرح مساوی ہوگی؟ کیونکہ مثلاً چالیس سال کے انسان کے آٹھ بچے ہیں اور اسی عمر کے دوسرے آدمی کے چار بچے ہیں اور اسی عمر کا ایک شخص ایسا ہے جس کے اولاد ہی نہیں ہوئی۔ یہ چاروں ایک ہی درجہ کے مزدور ہیں مثلاً کسی فیکٹری کی ایک ہی برانچ میں ایک ہی درجہ کا کام کرتے ہیں۔ یا کسی دفتر میں ایک ہی درجہ کے کلرک ہیں تو اب ان کا الاؤنس یا وظیفہ مساوی ہوگا یا خاندان کے افراد کے بموجب کم و بیش ہوگا؟ یکساں ہونے کی صورت میں ہر ایک کا پیٹ نہیں بھرے گا۔ اور کم و بیش ہونے کی صورت میں ناانصافی کا شکوہ ایک نئی مصیبت بن جائے گا اور یہ سوال زور پکڑے گا کہ کیا وجہ ہے کہ مساوی درجہ کے ایک مزدور کو اسٹیٹ صرف اس کا خرچہ دے۔ دوسرے کو مزید چار کا اور تیسرے کو مزید آٹھ کا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اولاد ایک کی اور خرچہ دوسرے کے ذمے! کیونکہ اسٹیٹ صرف اولاد والے کا نہیں پورے ملک کا مشترک ادارہ ہے۔

(د) ایک شخص جو کچھ کماتا تھا، سلیقہ سے خرچ کرتا تھا، اپنے خرچ سے بچا کر ماں باپ اور دوسرے

رشتہ داروں کی بھی خدمت کرتا تھا۔ بسا اوقات پڑوسیوں کی بھی امداد کیا کرتا تھا۔ اس وجہ سے اس کے تعلقات نہایت خوشگوار تھے اس سے ہر ایک محبت اور اسکی عزت کرتا تھا۔ اس کی عزت کو دیکھ کر جوانوں میں بھی پڑوسیوں اور رشتہ داروں کی امداد کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، لیکن جب اس کی کمائی اس کی نہیں رہی اسٹیٹ کی ہوگئی تو ماں، باپ، بہن، بھائی آس پڑوس کی امداد کے تمام سلسلے ختم ہوگئے۔ آپس کی ہمدردی اور لحاظ و مروت سب خواب پریشان بن گئے۔ اب انسان کو مویشیوں کے نقش قدم پر چلنا پڑے گا۔ اصطبل کے مالک ہر ایک گھوڑے کی رہائش خوراک اور حفاظت کا انتظام کرتا ہے جو مویشی یہاں رہتے ہیں فربہ بھی ہوجاتے ہیں ——— اچھلتے، کودتے بھی خوب ہیں۔ مالک کا کام بھی کرتے ہیں، لیکن ان میں آپس میں نہ ادب اور لحاظ ہوتا ہے۔ نہ مروت اور پاسداری اور نہ جذبہ ہمدردی ہوتا ہے۔

ایک مثال تاریخ اپنے آپ کو دہراتی رہتی ہے۔ ایسے فرقے بھی گذرے ہیں جنھوں نے زر (دولت) اور "زمین" کی طرح "زن" کو بھی مشترک ملک قرار دیا تھا۔

تقریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے کی بات ہے، اس طرح کا ایک شور برپا ہوا تھا۔ ایک بہت بڑے لیڈر "مزدک" نے جو متاثر کرنے کے لئے "تقدس" کا جامہ بھی پہنے ہوئے تھا، چنانچہ مشہور شاہنشاہ "نوشیرواں عادل" کا باپ قباد اس کا چیلہ ہوگیا تھا۔ اس رہنمائے اعظم "مزدک" نے پیداوار، ذرائع پیداوار اور دولت ہی نہیں بلکہ عورت کو بھی مباح عام کردیا تھا۔

(ملل و نحل (عربی) ص ۸۶ ج ۲)

دبستان مذاہب (فارسی) کے الفاظ یہ ہیں:۔

"زناں را اخلاص گردانید و اموال مباح داشت و ہمہ مرداں را در خواستہ و زن شریک ساخت، چنانکہ در آتش و آب و علف انبازند۔"

ایک عجیب و غریب دلیل یا فیصلہ ملاحظہ فرمائیے۔

"ستمے[1] سنگین باشد کہ زن یک جمیلہ باشد و جفت دیگرے قبیحہ۔ پس شرطِ عدالت و دینداری

---

[1] ایک سنگین ظلم ہے کہ ایک کی بیوی خوبصورت ہو اور دوسرے کی بدصورت۔ انصاف اور دینداری کی شرط یہ ہے کہ شوہر اپنی حسین و جمیل بیوی کو چند روز کے لئے اس کو دے دے کہ اس کی بیوی بدصورت ہے اور وہ اس بدصورت کو چند روز کے لئے خود قبول کرلے۔

آنست کہ مرد زنِ جمیلہ خود را چند روز بداں کس دہد کہ جفت او بدو زشت ست وزشت اور ایک چند بخود در پذیر۔

(دبستان مذاہب ص ۱۳۴)

پیٹ کا شور مچانے والوں نے اس تاریخ سے سبق لیا۔ عورت کو گھر سے نکالا۔ کارخانے اور دفتروں میں پہنچایا۔ بچہ اس سے لے کر سرکاری پرورشس گاہ میں بھیج دیا اور اسکو زمانہ زچگی کی رخصت دیدی، لیکن جب ہر سال ولادت ہونے لگی تو زچگی کی رخصتوں میں بھی پابندی لگادی گئی۔ مثلاً یہ کہ پانچ دفعہ سے زیادہ زچگی کی رخصت نہیں دی جائے گی۔

اب مرد و عورت جنسی تعلقات میں آزاد ہیں۔ البتہ نہ عورت ماں بنے گی نہ مرد باپ، شاید ان کو یہ پتہ بھی نہ چلے کہ ان کے جنسی تعلقات کا جو نتیجہ تھا وہ زندہ ہے یا مُردہ؟ اگر زندہ ہے تو کہاں ہے؟ اس کا مستقبل کیا ہے؟

محبت کا سلسلہ گھر سے چلتا ہے۔ ماں کی مامتا، باپ کی شفقت کا ردِ عمل اولاد کی محبت ہے۔ ملی جلی زندگی میں بہن بھائیوں اور رشتہ داروں میں بے لوث محبت کی شاخیں پھیلتی ہیں، لیکن جب زندگی کی پہلی ہی منزل میں یہ چمن برباد کر دیا گیا تو اب محبت کا نام صرف عیش پرستی کی خاطر آسکتا ہے۔ آپس کی ہمدردی، امداد باہمی اور انسانی شرافت سے اس کا کوئی تعلق نہیں رہے گا اور بقول عارف جامیؔ انسانی سماج کی تصویر یہ ہوگی ؎

ایں نہ مردانند اینہا صورت اند
مردہ نانند کشتگان شہوت اند

کسی فریاد کرنے والے نے فریاد کی کہ ملکیت کیا ختم ہوئی۔ فطرت کا سارا نظام ہی بدل گیا تو جواب دیا گیا۔ فطرت کوئی چیز نہیں ہے۔ یہ سب سرمایہ داروں کے ہتھکنڈے ہیں جو پرانے زمانے سے چلے آرہے ہیں۔ ان کی قدامت کا نام فطرت رکھ دیا گیا۔ یہ آداب و اخلاق سب خیالی باتیں ہیں آپ نے اپنی دلّی کے مشہور شاعر استاد غالب کا یہ شعر نہیں سنا۔

ہستی کے دام میں نہ آجائیو اسدؔ
عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

(باقی پھر)

نداءُ الاسیر

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا مفتی محمود صاحب مدظلہ قائد جمعیۃ علماء اسلام

حضرت مفتی محمود صاحب ۱۹۵۳ء میں بسلسلہ تحریک ختم نبوت سنت یوسفیؑ پر عمل کرتے ہوئے ملتان جیل میں محبوس ہوتے تو حضرت مفتی اعظم مولانا کفایت اللہ دہلویؒ کے تتبع میں یہ نظم کہی۔ حضرت مفتی اعظمؒ ۱۹۳۲ء میں قائد جمعیۃ علماء ہند کی حیثیت سے سول نافرمانی کرتے ہوتے گرفتار ہوئے اور اٹھارہ ماہ قید بامشقت کی سزا کے سلسلے میں ملتان سنٹرل جیل لائے گئے۔ عید کے موقعہ پر آپ نے جیل کے نگران میجر فضل الدین کو ایک فصیح و بلیغ عربی نظم میں تہنیتِ عید بھیجی جس میں عید کے موقعہ پر ایک قیدی کے جذبات و احساسات کا اظہار کرتے ہوئے اسلامی حمیت و غیرت اور آزادی حاصل کرنے کے عزمِ مصمم کا بھی ذکر کیا تھا۔

حضرت مفتی محمود صاحب جو دینی فقہی اور علمی و عملی ہر میدان میں حضرت مفتی اعظم کے صحیح جانشین ہیں کی یہ نظم ہمیں مولانا حبیب اللہ صاحب ناظم جامعہ رشیدیہ ساہیوال نے مرحمت فرمائی۔ ہمیں یہ نظم دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوئی، کیونکہ ہمارے خیال میں حضرت مفتی صاحب عظیم فقیہ، بلند پایہ شیخ الحدیث اور ایک صاحب فراست سیاستدان تو تھے، لیکن اس کا قطعاً علم نہ تھا کہ آپ شعر بھی کہتے ہیں۔ یہ نیا شاعرانہ پہلو شاید قارئین کے لئے بھی انکشاف کی حیثیت رکھے گا۔ حضرت مفتی محمود صاحب کے ساتھ جیل میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ، حضرت مولانا محمد علی جالندھریؒ، مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادیؒ مولانا سید نور الحسن بخاری، مولانا محمد اسماعیل صاحب، حافظ خادم حسین صاحب اور ناظمِ جامعہ رشیدیہ بھی تھے۔ مفتی صاحب جمعہ پڑھایا کرتے۔ شیخ التفسیر قرآن پاک کا درس دیتے تھے اور مولانا حبیب اللہ صاحب نے رمضان میں قرآن پاک سنایا۔

★

وانی لفی دار ھنا سکن الذی　　اعان علی تقویم دین مقوم

میں ایک ایسے گھر میں ہوں (جیل میں) کہ یہاں وہ شخص رہا ہے کہ جس نے دین قویم کی درست کاری میں مدد کی ہے

ففیھا ابن اسرائیل یوسف نازل　　علیہ سلام اللہ لیس باجذم

تو اس میں اسرائیل علیہ السلام کے بیٹے یوسف علیہ السلام بھی ٹھہرے ان پر خدا کی طرف سے نہ منقطع ہونیوالی سلامتی کا نزول ہو

وقد سکنت فیھا ائمۃ دیننا　　وفیھا ابو فقہ کثیر التکرم

اس میں ہمارے ائمہ دین بھی رہے ہیں اس میں ابوالفقہ (امام اعظم ابو حنیفہ) جو بہت بزرگی والے ہیں رہے ہیں

وفیھا ابن تیمیہ تراہ موثقا　　مقام کریم اشجع متلثم

اس میں ابن تیمیہ (رہے ہیں) انہیں تم دیکھو کہ وہ مضبوطی سے پکڑے ہوتے ہیں عمدہ مقام کو بہت بہادر ڈھاٹا باندھنے والے ہیں

وشیخ بسرھند المبارک منزلا　　بھا صار شیخا قطب فضل معمم

اور شیخ جو سرہند مبارک میں ٹھہرے ہوتے ہیں اسی (قید خانے) میں شیخ، قطب فضیلت اور صاحب عمامہ ہوتے

ھناک رشید جاء بالفضل والعلیٰ　　وعرف محمود ھناک بضیغم

یہیں (قید خانہ ہی میں) حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فضیلت و بلندیاں لیکر آئے اور یہاں حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ ضیغم اسلام معروف ہوتے

کفایۃ مولانا وفخر زماننا　　فکل سما فیھا مدارج سلم

ہمارے آقا کفایت اللہ اور ہمارے زمانہ کے فخر (یعنی مولانا سید فخر الدین صاحبؒ) ہر ایک قید ہی میں (بلندیوں کی) سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر ابھرے

وفیھا حسین احمد تراہ توطنا　　لذاک تراہ الیوم خیر میمم

اسی میں حضرت مولانا السید حسین احمد مدنی قدس سرہٗ کہ تم دیکھو گے کہ انہوں نے اپنا وطن ہی (قید خانہ) بنالیا۔ اسی لئے آج تم دیکھو گے کہ وہ ایسے ہیں کہ وہ سب سے بہتر مقصود بن گئے

وفیھا قضی عمرا امیر شریعۃ　　وفیھا امام الھند جا بتقدم

اور اسی میں امیر شریعت (مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری مرحوم) نے اپنی عمر کا ایک حصہ گذارا اور اسی میں امام الہند (مولانا ابوالکلام آزاد) آگے بڑھنے کی فضیلت لائے

فلولا اری فیھا مآثر سارۃ　　ولولم اظن الدار دار تنعم

اگر میں اسمیں اس چلنے والے (قافلہ) کے آثار و نشانات نہ دیکھتا اور اگر میں اس گھر (قید خانہ) کو نعمتوں کا گھر نہ جانتا

ولولم اخل فیھا معارج ذروۃ　　ولم ارتقب فیھا حصول التکرم

اور اگر میرے خیال میں اس میں بلندیوں کی چوٹیاں نہ ہوتیں اور (میرے نزدیک) اس میں بزرگی کے حصول کی تاک نہ ہوتی

ولم ارج فیها النیل نیل سعادۃ ولم انتظر فیها نزول الترحم

اور (اگر میں) اس میں حصول سعادت کی امید نہ رکھتا ہوتا اور (اگر) اس میں رحمت خداوندی کے اترنے کا مجھے انتظار نہ ہوتا

ولم احتسب ذاك الورود فریضۃ رضا للنبی ماجد ومکرم

اور اگر میں اس (قید خانہ) میں آنے کو فرض نہ جانتا ذی المجد والکرم علیہ الصلاۃ والسلام کی خوشنودی کے لئے

وحفظا الدین قیم واماطۃ لکذب رجیم خادع وغلیم

اور میں دین قیم کی حفاظت اور راندہ درگاہ دھوکہ باز اور غلامِ ذلیل کے جھوٹ کو دفع کرنے کے لئے

فلو لم یکن هاذاك ماسرت نحوها بقلب حریص مشرئب متیم

اگر یہ باتیں نہ ہوتیں تو میں قید خانہ کی طرف ایسے دل سے نہ چلتا جو لالچ میں بیتاب اور سر اٹھاتے ہوئے ہو

ولم افترق اهلی وداری بساعۃ ولم ادخل البیت المقفل فاعلم

اور میں اپنے گھر اور اہل وعیال سے ذراسی دیر کے لئے بھی جدا نہ ہوتا اور دیکھو کہ نہ ہی اس مقفل گھر میں داخل ہوتا

ولم ترنی المحبوس فی السجن لحظۃ وکنت جمیعا بالرفیق المعظم

اور نہ تم مجھے ایک لحظہ کے لئے بھی قید میں بند دیکھتے اور میں رفیق معظم (اپنے شیخ) کے ساتھ ساتھ ہوتا

وما کنت فی رمضان مونس غربۃ ولم تدر ما حال الاسیر المجمجم

اور رمضان میں میں پردیسی زندگی سے مانوس نہ تھا اور تم نہیں جان سکتے کہ بے بس قیدی کا کیا حال ہوتا ہے

ولم ترنی قاسیت کأبۃ عزلۃ وما کان لحظی دفعۃ بمحرم

اور تم نے مجھے نہ دیکھا ہوگا کہ میں نے یکسوئی کی تکلیف سہی ہو اور (جیل میں آنے سے پہلے) میرا اچانک (سبکو) دیکھنا حرام نہ ہوا تھا

وما کان فی قلبی حریق تشوق وما کان جسمی للعدی بمسلم

اور میرے دل میں شوق کی آگ نہ تھی اور میرا جسم دشمنوں کو نہ سونپا گیا تھا

فارجو الکریم الرب حسن تقبل عسی اللہ ان یجعلہ خیر مقدم

میں اپنے پروردگار کریم سے امید رکھتا ہوں حسن قبول کی قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آمد (جیل) کو بہتر بنادے

کچھ قراآت کے بارے میں !

حُفّاظ و مُحافظینِ قُرآن رحمھم اللہ تعالیٰ

شیخ القرا، حضرۃ مولانا قاری رحیم بخش پانی پتی مدظلہٗ مدرس مدرسہ عربی خیرالمدارس ملتان

مرسلہ :

مولانا قاری محب اللہ برمی

یہ بات نہایت حیرت اور افسوس کے ساتھ پڑھی اور سنی جائے گی کہ آج اس دورِ کفر و الحاد میں جس طرح مختلف فتنے، یعنی فتنۂ انکارِ حدیث ——— اور قادیانیت و مودودیت وغیرہ وغیرہ پرورش پا رہے ہیں۔ اسی طرح فتنۂ انکارِ قراۃ بھی رونما ہو رہا ہے اور افسوس بالائے افسوس یہ کہ علماء کہلانے والے حضرات میں سے بھی بعض حضرات قرات کا انکار کرتے ہیں ——— اگر ہم ان منکرین کا تجزیہ کریں تو انکی دو قسمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک وہ جن کی نیت ہی دین میں فتنہ پیدا کرنا ہے اور ان کی حالت یہ ہے کہ قرأت ہی کیا بلکہ وہ تو تمام ضروریاتِ دین ہی کو سرے سے مٹانے کے درپے ہیں۔ ان کو تو نہ ہم قابلِ اعتناء سمجھتے ہیں اور نہ انکی طرف ہمارا روئے سخن ہے۔ یہ تو خود ہی خسر الدنیا والاخرۃ کے مصداق ہیں اور دوسرے وہ حضرات ہیں جو بیچارے نادانستہ طور پر یا بعض غلط فہمیوں کی بناء پر انکار کرتے ہیں۔ ان ہی سے ہمارا خطاب ہے۔ پس یہ حضرات اگر ہماری ان چند معروضات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں گے تو انشاء اللہ ان کے تمام شبہات کافور ہو جائیں گے اور ایک لحہ کے لئے بھی ان کو اس جرمِ عظیم کے ارتکاب کی جرأت نہ ہو گی۔ واللہ ھو الموفق والمعین۔

واضح ہو کہ کسی بات کا انکار عموماً دو وجہوں سے ہوا کرتا ہے۔ (۱) خود وہ بات ہی نقل، عقل اور درایت کے خلاف ہو (۲) اسکے ناقلین اور روایت ناقابلِ اعتماد یا مجہول الحال ہوں، پس ذیل میں ہم قرآت کے انہی دونوں پہلوؤں پر کلام کرتے ہیں اور اس کو تین حصوں میں منقسم کرتے ہیں۔

اور پہلے حصہ میں قراۃ کی حقیقت اور اس کا فائدہ و ماخذ اور اس کے تعدّد کے نقلی و عقلی دلائل۔ دوسرے میں قراآت کے ناقلین کے حالات اور ان کی اسناد ۔ تیسرے میں قراآت کے بارہ میں پیدا شدہ چند شبہات اور ان کے جوابات بیان کرتے ہیں۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

پہلا حصہ "قراۃ کی حقیقت اور اس کے فائدہ و ماخذ اور اس کے تعدّد کے نقلی و عقلی دلائل میں"

نمبر ا ۔ قراۃ اس علم کا نام ہے جس سے کلماتِ قرآنیہ میں قرآن مجید کے ناقلین کا وہ اتفاق اور اختلاف معلوم ہو۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن لینے کی بناء پر ہے، اپنی رائے کی بناء پر نہیں۔ (اور تجوید[۲] اس علم کا نام ہے جس سے حروف کے مخارج اور صفات اور وقف و ابتداء کے مواقع معلوم ہوں۔ پس قراۃ اور تجوید دو الگ الگ علم ہیں۔ ان دونوں کو ایک سمجھنا ناواقفیت کی واضح دلیل ہے۔)

نمبر ۳ ۔ اس علم کا ماخذ ائمہ کی وہ صحیح اور متواتر نقول ہیں۔ جو ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہنچی ہیں۔

نمبر ۴ ۔ (الف) قراآت کا مدار نقل پر ہے، چنانچہ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ارشاد ہے۔ امرکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تقرؤا القرآن کما علمتم۔ تم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ قرآن کو اسی طرح پڑھو جس طرح تم کو سکھایا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام کو سورۂ فرقان دوسری طرح پڑھتے ہوئے سنا تو پوچھا کہ یہ سورۃ تم نے کس سے پڑھی ہے؟ کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ میں ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا اور واقعہ عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم دونوں سے سُن کر درست بتایا اور فرمایا۔ ان ھذا القرآن انزل علی سبعۃ احرف فاقرؤا ما تیسر منہ (بخاری و مسلم مثلہ)

امام ابو عبید کہتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے۔ محقق جزری صاحبِ حصن رحمہ اللہ نے اس کے طرق کو علیحدہ ایک رسالہ میں جمع کیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو متن کے اختلاف کے ساتھ سترہ صحابہؓ اور ایک صحابیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے روایت کیا ہے اور سب کے نام بھی گنوائے ہیں۔

حافظ ابو یعلی موصلی مسند کبیر میں کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک، روز منبر پر کھڑے ہو کر صحابہ کرامؓ سے کہا۔ میں ان حضرات کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں جنھوں نے نبی کریم صلی اللہ دسلم سے یہ الفاظ

سنے ہوں۔ ان القران انزل علی سبعۃ احرفٍ کلّھا شافٍ کافٍ۔ وہ کھڑے ہوجائیں۔ اس پر صحابہ کرامؓ کی اتنی بڑی جماعت مسجد میں کھڑی ہوگئی جس کی گنتی نہیں ہوسکتی تھی اور سب نے اس پر گواہی دی، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا، میں بھی اس پر گواہ ہوں۔

حضرت ابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے مسجد میں آکر سورۃ نحل اس کے خلاف پڑھی جس طرح میں پڑھتا تھا۔ میں نے پوچھا کہ تجھے یہ سورت کس نے پڑھائی ہے۔ کہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی سورہ نحل ہی پڑھی۔ اور ہم دونوں کے خلاف تیسری طرح پڑھی۔ میں نے اس سے بھی پوچھا تو اس نے بھی وہی جواب دیا۔ جس سے میرے دل میں شک پیدا ہوا اور میں ان دونوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے گیا۔ آپؐ نے ایک سے سُن کر فرمایا اَحسنتَ (تُو نے عمدہ کام کیا) اور دوسرے سے سُن کر فرمایا۔ (اَصَبتَ (تو راستی کو پہنچا) پھر مجھ سے سُن کر فرمایا ھٰکذَا اُنْزِلَتْ (یہ سورۃ اسی طرح نازل کی گئی) اور پھر میرے سینے پر ہاتھ مار کر ارشاد فرمایا اُعِیْذُکَ بِاللّٰہِ یَا اُبَیُّ (اے اُبی! میں تمہیں اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں)

حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان میں سے جو وجہ پڑھو وہی درست ہے، مگر شک نہ کرو، کیونکہ ان میں شک کرنا کفر ہے۔

ابن المکدر، عروہ بن زبیرؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ اور عامر شعبیؒ فرماتے ہیں کہ قراءت سنت متبعہ ہے کہ پچھلا پہلے سے اخذ کرتا چلا آتا ہے۔ پس تم کو جس طرح پڑھائی اسی طرح پڑھو۔

امام نافعؒ اور امام ابو عمرو کا ارشاد ہے کہ اگر یہ پابندی نہ ہوتی کہ جس طرح ہم نے پڑھا ہے اسی طرح پڑھیں تو ہم فلاں حرف کو اس طرح اور فلاں کو اس طرح پڑھتے۔

شاطبیہ میں ہے۔

وما لقیاسٍ فی القراءۃ مدخلٌ	قراءۃ میں قیاس کا ذرا بھی دخل نہیں۔ پس
فدونک ما فیہ الرضا متکفلا	تو ان کی حفاظت کا ذمہ دار بن کر اس کو لے لے جس میں (ناقلین کی) پسندیدگی ہے۔

محقق اپنی نشر میں فرماتے ہیں کہ قراءۃ کا فقہی قیاس اور اجتہادی رائے سے کوئی تعلق نہیں (انتہیٰ) پس جب قراءۃ کا مدار نقل پر ہے۔ تو یہ خیال بالکل غلط ہے کہ قرائتیں قراء اور اماموں نے خود بنائی ہیں۔

رہی یہ بات کہ موجودہ قراآت کونسی نقل سے ثابت ہیں۔ سو اس کے جواب کے لئے ناظرین اسی مضمون کے حصہ دوم میں قراء کی اسناد کو ملاحظہ فرمائیں کہ ہر ایک نے سلسلہ بسلسلہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہے۔

(ب) قراآت کا متعدد ہونا عقل و درایت کے بھی عین موافق ہے، کیونکہ :۔

۱۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب وعجم، سُرخ وسیاہ تمام مخلوق کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہے اور قرآن عرب کے لغت میں نازل ہوا تھا اور ان کے لغات جدا جدا تھے اور زبانیں متفرق تھیں اور ایک لغت اور حرف والے کو دوسرے کے لغت اور حرف میں پڑھنا دُشوار تھا۔ بلکہ بعض پڑھ ہی نہیں سکتے تھے۔ خصوصاً بوڑھوں، عورتوں اور ان پڑھ لوگوں کو اور بھی دُشواری تھی۔ پس اگر اس حالت میں حکم ہوتا کہ چار و ناچار سب کو ایک ہی لغت اور حرف میں پڑھنا ہوگا تو یہ تکلیف تحمل سے باہر ہوتی یا سخت مشقت پیش آتی اور طبیعتیں اس کی تلاوت سے ہٹ جاتیں۔ پس حق سبحانہٗ تعالیٰ نے جس طرح امت کو دین میں آسانی دی تھی، اسی طرح اپنے لطف وکرم اور انعام سے اس کے لئے قرآن کے لغات اور حرکات میں بھی وسعت فرمادی۔

۲۔ آسانی کے علاوہ ایک حکمت یہ بھی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت قل لئن اجتمعت الانس والجن الخ پیش کر کے تمام مخلوق کو چیلنج دیا تھا کہ قرآن جیسی کتاب کوئی بنا کر نہیں لاسکتا۔ اگر قرآن ایک ہی لغت پر نازل ہوتا تو دوسرے لغت والے کو یہ کہنے کی گنجائش رہتی کہ اگر ہمارے لغت میں ہوتا تو ہم اس کے مثل بنا لاتے اور حق تعالیٰ شانہٗ کے اس ارشاد میں کذب کا وہم ہوجاتا۔ حالانکہ وہ اس سے بری اور پاک ہیں۔ (عنایات)

۳۔ جو حضرات علم بیان سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ایک مقصد کو کئی طرح کی عبارتوں سے بیان کرنا کلام کی خوبیوں میں سے ہے۔ اور قراآت اور روایات کی شان بھی یہی ہے کہ باوجود اسکے کہ الفاظ کی شکلیں متعدد ہوجاتی ہیں، لیکن مفہوم اس پر بھی متحد ہی رہتا ہے، بلکہ ہر ایک قراءۃ پر دوسری سے اعلیٰ ترین معنی نکلتے ہیں۔

یہاں چند مثالیں درج کر کے ان خوبیوں کا قدرے نمونہ پیش کیا جاتا ہے اور ان کو وہی حضرت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں جو نحو وصرف اور علم بیان سے واقف ہیں۔

(۱) یخٰدعون اللہ والذین امنوا ج وما یخدعون الا انفسہم — اس آیت میں اول موقع میں یخٰدعون پر اجماع ہے، کیونکہ خدع جیسے قبیح فعل کو تصریحاً حق تعالےٰ شانہ، کی طرف منسوب کرنا بہتر نہیں سمجھا گیا۔ پس یہاں مفاعلہ طلب کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ اللہ تعالےٰ کو فریب دینا چاہتے ہیں، کیونکہ یہ باب اس معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے اور فعل (مجرد) میں یہ بات نہیں تھی اور یہاں مفاعلہ کو (شرکت) کی بجائے مجازی معنی (طلب) میں استعمال کرنا فعل کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے ہے، کیونکہ مفاعلہ جن موقعوں پر مغالبہ اور شرکت کے لئے نہیں ہوتا، ان میں مبالغہ اور کثرت کے لئے ہوا کرتا ہے۔

اور دوسرے موقع پر دو قراءتیں ہیں (۱) ابن عامر، کوفیین، ابوجعفر اور یعقوب کے لئے یَخْدَعُون ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کثیر الاستعمال معنی کی رو سے مفاعلہ شرکت کے لئے ہے اور یہاں دو چیزیں ہیں نہیں اس لئے کہ انسان اپنے نفس سے مخادعت نہیں کرسکتا۔ پس یہ معنی صحیح نہیں کہ ایک انسان اپنے نفس سے اور اس کا نفس خود اسی سے دھوکہ کرے!

نیز اس میں تنبیہ ہوگئی کہ پہلا بھی اسی معنی میں ہے۔ یعنی یہاں مفاعلہ شرکت کے لئے نہیں ہے چنانچہ سافوت۔ عاقبت اللص، طابقت النعل بھی اسی قبیل سے ہیں۔ (۲) اور نافعؒ، مکیؒ، ابوعمرو کے لئے وما یُخٰدعون ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے دونوں لفظ یکساں ہوکر باب میں موافق ہو جاتے ہیں۔ پس اول کی طرح ثانی میں بھی مفاعلہ فعل کی کثرت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

(۲) یَکذِبون (بقرہ ع ۲) میں بھی دو قراءتیں ہیں (۱) اسی طرح جیسے یہاں درج ہوا۔ یہ کوفیین کی قراۃ ہے۔ (۲) یُکَذِّبون، یہ کوفیین کے علاوہ باقی چھ کی ہے۔ اول کذب سے ہے جو صدق کی ضد ہے اور کذب کے معنی ہیں جان بوجھ کر اور حقیقی معنی کا ارادہ کرکے کسی چیز کی بابت اس کی واقعی حالت کے خلاف دوسری طرح خبر دینا۔ جان بوجھ کر کہنے سے جہل اور حقیقی معنی کہنے سے مجاز نکل گیا۔ یعنی اگر بے خبری میں یا مجازی معنی کے ارادہ سے واقع کے خلاف خبر دی جائے تو اس کو کذب نہیں کہتے اور ثانی تکذیب سے ہے جس کے معنی ہیں، کسی کو جھوٹا بتانا اور منافقین میں یہ دونوں صفتیں پائی جاتی ہیں، کیونکہ ایمان کے دعوے میں جھوٹے بھی ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا بھی بتاتے ہیں اور یہی اولیٰ ہے، کیونکہ بنسبت کذب کے تکذیب بلیغ تر ہے۔ اس لئے کہ جو بھی رسول کو جھٹلائے گا وہ کاذب ضرور ہوگا۔

(۳) فازلہما الشیطن میں فازلہما حمزہ کی قراۃ ہے فازلہما اس زَلّۃ سے ہے جو پھسلنے کے

معنی میں ہے ۔ یعنی شیطان نے ان دونوں کو جنت سے پھسلا دیا ۔ یا اس زَلّ سے ہے جس کے معنی یہ ہیں اس نے غلطی کی ۔ پس فَاَزَلَّهُمَا کے معنی یہ ہونگے کہ شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کے ذریعے قصوروار بنایا اور اسی لئے اس کو عَنْ سے سے متعدی بنا دیا ۔

اور حمزہ کی قرأۃ زِلت سے ہے اور وہ زوال سے بنا ہے ۔ یعنی ان دونوں کو شیطان نے جنت سے ہٹا دیا اور دُور کر دیا ۔ پس ان کو اس عیش سے نکالدیا ۔ جس میں کہ وہ تھے اور حاصل دونوں قرأتوں کا ایک ہی ہے کہ ان دونوں کو جنت میں نہ رہنے دیا ۔

(۴) عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۰ اَفَتَطْمَعُوْنَ میں مکّی کے لئے یاسے یَعْمَلُوْنَ ہے اس میں خطاب کی تا کی وجہ قَتَلْتُمْ نَفْسًا سے قُلُوْبُکُمْ تک کی سات ضمیروں کی مناسبت ہے اور یا میں فَذَبَحُوْهَا وَمَا کَادُوْا یَفْعَلُوْنَ (ع) کی اور اَنْ یُّؤْمِنُوْا سے وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ تک ان دس ضمیروں کی رعایت پیشِ نظر ہے ۔

اختصار کی بناء پر ان ہی چار مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے ۔ اگر اس لطف سے بہرہ اندوز ہونے کا زیادہ شوق ہو تو عربی جاننے والے حضرات اس مقصد کے لئے اتحاف فضلاء البشر اور ابراز المعانی اور جعبری کی شرح وغیرہ کا اور اُردو داں حضرات عنایات ۔ ج ۲، ۳ کا مطالعہ فرمائیں ۔ انشاء اللہ نتیجہ میں اہلِ انصاف اس کا اعتراف فرمائیں گے کہ اگر علم ہے تو علمِ قرآات ہی ہے اور بیشک یہ اس کا مستحق ہے کہ اس کے حاصل کرنے اور اس میں مہارت پیدا کرنے میں عمر کا زیادہ سے زیادہ حصہ صرف کیا جائے اور حقیقت یہ ہے کہ علماء کی تفریح کا سامان جس قدر اس علم میں ہے ۔ دوسرے علوم میں اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے ۔

ان سطور سے یہ بات بخوبی ثابت ہو گئی کہ قرأۃ کا مدار نقل پر ہے اور ان کا تعدد نقل، عقل و درایت کے عین موافق ہے اور ہر قرأۃ پر معنی اور ترکیب نحوی بھی درست رہتی ہے اور سب قرآات اسی رسم سے نکلتی ہیں جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہے ۔ پس کوئی وجہ نہیں کہ ان کا انکار کر کے اپنی عاقبت خراب کی جائے ۔ اعاذنا اللہ منہ ۔ (باقی پھر)

چشمِ ساقی میں بھرا کیا بادۂ پُرجوش ہے
جس طرف آنکھ اُٹھ گئی وہ مست ہے مدہوش ہے

جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہے کوئے دوست
اِس نویدِ جانفزا سے سَر وبالِ دوش ہے

مولانا سید سلیمان ندوی

اُستاذُ الاساتذہ حضرت مولانا محمّد رسُول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ

خلیفۂ مجاز حکیم الاُمّت حضرت مولانا محمّد اشرف علی صاحب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

مولانا قاری فیوض الرحمٰن صاحب مدظلہٗ ایم اے ، پروفیسر گورنمنٹ کالج ایبٹ آباد

ولادت | آپ کی صحیح تاریخ ولادت معلوم نہیں ہوسکی۔ اندازہ ہے کہ آپ ۱۸۷۱ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے۔ آپ کی جائے ولادت کا نام موضع "باڑیاں" علاقہ ٹکری نندھیاڑ، تحصیل مانسہرہ ضلع ہزارہ ہے۔

ابتدائی تعلیم | ابتدائی تعلیم اپنے ہی علاقہ میں حاصل کی، اس وقت مستقل مدارس کا قیام عمل میں نہیں آیا تھا، مساجد ہی مدارس کا کام دیتی تھیں۔ اس کے بعد آپ اوگی کے قریب "مسجد سوسل گلی" میں بھی کچھ عرصہ تعلیم حاصل کرتے رہے پھر بوئی گاڑ ضلع کیمبلپور تشریف لے گئے اور وہاں تحصیلِ علم میں مصروف رہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے روانگی | بعد ازاں آپ دار العلوم دیوبند تشریف لے گئے، تین سال کے عرصہ میں باقی ماندہ کتب کی تکمیل کر کے ۱۳۲۳ھ میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دورۂ حدیث شریف پڑھا اور سندِ فراغ حاصل کی۔ حدیث شریف کے علاوہ آپ نے حضرت شیخ الہندؒ سے اور بھی بہت سی کتابیں پڑھی تھیں جن میں توضیح تلویح اور بیضاوی شریف بھی شامل ہیں۔ معقولات کی کتابیں حضرت مولانا غلام رسول بفویؒ سے پڑھیں اور انہی کتابوں میں اپنے استاذ کے صحیح جانشین ہوئے۔

تدریسی خدمات | دار العلوم دیوبند سے فراغتِ تحصیلِ علم کے بعد آپ مدرسہ "امداد الاسلام" میرٹھ میں تدریسی خدمات انجام دینے لگے، تقریباً بارہ تیرہ سال تک اس مدرسہ میں نہایت محنت سے درسِ نظامی کی کتابیں پڑھائیں۔

دار العلوم دیوبند میں | آپ مدرسہ "امداد الاسلام" ہی میں تدریسی خدمات انجام دے رہے تھے کہ

دارالعلوم دیوبند کے اکابر وارباب اہتمام کی خواہش پر دارالعلوم ہی میں مدرس مقرر ہوئے۔

دارالعلوم میں پہلا درس آپ نے دارالعلوم میں پہلا درس "شرح وقایہ" کا دیا۔ جس میں آپ کی تدریسی قابلیت کا امتحان ہوا۔ اس درس میں امام العصر حضرت مولانا محمد انور شاہؒ اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت مولانا حافظ احمد صاحبؒ وغیرہ اکابر اور اساتذہ سب شریک ہوئے۔ آپ نے معرکہ کا درس دیا اور دارالعلوم میں آپ کی شخصیت کی دھاک بیٹھ گئی، پھر پورے بیس سال تک دارالعلوم میں ہمیشہ بلند پایہ کتب پڑھاتے رہے۔

اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی میں ۲۹ مئی ۱۹۳۵ء کو اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی میں بحیثیت "ہیڈ مولوی عربی" آپ کی تقرری ہوئی، بعد میں لیکچرر بنا دیئے گئے۔ بیس سال بعد ستمبر ۱۹۵۴ء میں اس خدمت سے سبکدوش ہوئے۔ (تاریخ یونیورسٹی اورینٹل کالج مرتبہ ڈاکٹر غلام حسین ص ۱۷۸، ۱۷۹)

اس بیس سالہ عرصہ تدریس میں آپ سے جدید تعلیم یافتہ حضرات نے جی بھر کر اپنی علمی پیاس بجھائی۔

جامعہ اشرفیہ میں اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی سے ریٹائر ہوتے ہی آپ حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ بانی جامعہ اشرفیہ کی استدعا پر جامعہ اشرفیہ میں تشریف لے آئے۔ دینی مدارس کے طلبہ کو آخری کتابیں پڑھانا آپ کا کام تھا۔ جامعہ اشرفیہ کی یہ خوش قسمتی تھی کہ انہیں آپ جیسا نمونہ سلف بزرگ اور استاذ مل گیا۔ آپ زندگی کے آخری ایام تک وہاں پڑھاتے رہے۔ جامعہ اشرفیہ میں پہلے معقولات کی کتابیں "قاضی" وغیرہ زیر درس رہیں، پھر ترمذی شریف پڑھانا شروع کی اور آخر تک پڑھاتے رہے۔ شعبان کی چھٹیوں میں اپنے وطن "اچھڑیاں" تشریف لانے کا معمول ہوا کرتا تھا، لیکن اس مرتبہ آپ جانے کے لئے آئے۔ آپ لاہور سے اپنے وطن کے لئے روانہ ہوئے، ۱۴ شعبان المعظم ۱۳۹۱ھ کو دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی پہنچے، آخری سبق وہاں پڑھایا اور گھر تشریف لے آئے۔

انتقال یکم رمضان کو آپ پر نمونیہ کا حملہ ہوا، پہلے دن آپ نے کھڑے ہو کر ہی نمازیں ادا فرمائیں۔ دوسرے اور تیسرے دن غفلت کی کیفیت رہی، مگر نماز کے وقت پورا ہوش آجاتا تھا اور بیٹھ کر نماز ادا فرماتے تھے حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کی روایت کے مطابق آخری رات مغرب کے وقت وضو کے لئے پانی منگوایا، نواسے نے کمزوری کی وجہ سے ٹالنا چاہا کہ آپ نے نماز پڑھ لی۔ آپ نے انہیں ڈانٹتے ہوئے فرمایا کہ قسم کھاؤ! میں نے نماز پڑھی؟ وہ گھبرا کر وضو کے لئے پانی لے آئے، آپ نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور

انہیں فرمایا۔ "آپ کو میری کمزوری کی فکر ہے نماز کی فکر نہیں"۔ اس بیماری میں آپ کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور آپ کی کرامت تھی۔

آخری وقت میں مولانا شفیق الرحمٰن صاحب کیمیالوی کی روایت کے مطابق آپ نے فرمایا کہ "معزز مہمان آئے ہیں ان کے لئے جگہ خالی کر دیں" اور اُن سے مصافحے بھی کئے۔

انتقال کے وقت آپ پورے ہوش و حواس میں تھے۔ سورۂ یٰسین کی تلاوت شروع کر دی اور اپنے ایک عزیز سے فرمایا کہ "تم بھی سورۂ یٰسین پڑھو، تمہارے ساتھ میں بھی پڑھتا رہونگا تاکہ کہیں غلطی یا بھول نہ ہو"۔ استقامت کے ساتھ سورۂ یٰسین پڑھ کر ختم کی اور پھر یہ کلمات قرآنی " فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا ط وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ" پڑھتے ہوئے جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ یہ تین رمضان المبارک کی بات ہے ـــ آپ کے انتقال کی خبر سنتے ہی عوام و علماء اچھڑیاں پہنچنے شروع ہو گئے۔ لاہور سے بھی بہت سے علماء نے نمازِ جنازہ میں شرکت کی۔

تدفین ۴ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ دن کے ساڑھے دس بجے آپ کی نمازِ جنازہ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب نے پڑھائی۔ پھر آپ کو سپردِ خاک کیا گیا۔ علامہ مناظر احسن گیلانیؒ نے "سوانح قاسمی" میں لکھا ہے کہ جب حضرت علّامہ نانوتویؒ کو سپردِ خاک کیا جا رہا تھا تو اس وقت ان کے شاگردِ رشید حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ روتے جاتے تھے اور پڑھتے جاتے تھے کہ

مٹی میں کیا سمجھ کے دباتے ہو دوستو
گنجینۂ علوم ہے یہ گنجِ زر نہیں

اور آج شیخ الہندؒ کے اس نامور شاگرد کو جب سپردِ خاک کیا گیا ان کا کوئی شاگرد اگر وہی شعر پڑھ دیتا تو آپ پر بھی یہ کیسا صادق آتا۔

آپ کو "اچھڑیاں" کے قبرستان ـ عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دیا گیا، علم کے اس عظیم الشان بادشاہ نے عام مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کی اور آج گورِ غریباں کو رونق بخشی۔ بہادر شاہ ظفر نے کہا تھا ؎

شاہوں کے مقبروں سے الگ مجھ کو گاڑیو۔ ہم بیکسوں کو گورِ غریباں پسند ہے۔

اُن کا یہ شعر ہر دو حضرات پر صادق آتا ہے۔

آپ کی علمی شان آپ علم کا ایک بحرِ ذخّار تھے۔ "علماء میں کوئی کس فن میں ماہر ہوتا ہے

اور کوئی کسی فن میں، لیکن آپ ہر فن مولا تھے۔ کتابوں کے مصنف اگر زندہ ہوتے تو آپکو دیکھ کر بے ساختہ پکار اٹھتے کہ واللہ! یہ ہمارا مطلب صحیح سمجھے ہیں"۔ آپ تمام علومِ عقلیہ و نقلیہ کے امام تھے۔ جو کتاب بھی پڑھانا شروع کر دیتے یوں محسوس ہوتا جیسے عمر اسی کتاب کو پڑھانے میں گذری ہے۔ برصغیر میں شاید ہی کوئی ایسے عالم ہوں جو آپ کے بالواسطہ یا بلاواسطہ شاگرد نہ ہوں۔ حضرت شیخ القرآن نے تدفین کے بعد آپ کی قبر کے پاس "شیخ المحدثین" کی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے فرمایا۔ "آج یہ ہستی جو ہم سے رخصت ہوئی ہے، میں اپنے دل کی آواز آپ کو سنا رہا ہوں کہ پاکستان نہیں بلکہ ہندوستان میں بھی شاید ہی کوئی عالم ہو جو اُن کے فیض سے مستفیض نہ ہوا ہو۔ بڑے بڑے اکابر کے جوتوں میں بیٹھنے کا موقع ملا، لیکن جو علم ان میں دیکھا بہت کم مجھے دیکھنے میں آیا۔ یکتائے روزگار تھے۔ اتنا وسیع علم۔ منطق اور تمام معقولات تو ان کے گھر کی لونڈی تھیں۔ علماء میں کوئی کسی فن میں کامل ہوتا ہے، کوئی کسی فن میں، لیکن آپ ہر فن مولا تھے۔ (ماہنامہ تعلیم القرآن صہ بابت ماہ نومبر ۱۹۷۱ء)

حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ لکھتے ہیں۔ "ماہ رمضان ۱۳۹۱ھ میں حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب کی وفات سے درس و تدریس کی ایسی جامع ترین شخصیت کی جگہ خالی ہو گئی کہ آئندہ صدیوں میں بھی اس کے پُر ہونے کی توقع نہیں۔ مرحوم معمر ترین بزرگ اور استاذ الکل عالم تھے، جن کی زندگی کے تقریباً اسّی برس تعلیم و تدریس میں گذرے، جن میں پورے ۲۰ سال تو دار العلوم دیوبند کا عہدِ تدریس ہے۔ مرحوم کو حدیث میں حضرت مولانا شیخ الہند محمود حسن رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ حاصل تھا اور معقولات کی آخری کتابیں اپنے ہم وطن حضرت مولانا غلام رسول صاحب ہزاروی (بفوی) سے پڑھی تھیں اور انہی کتابوں میں وہ اپنے استاذ کے صحیح جانشین ہوئے۔ دار العلوم کے آخری علمی دَور میں اصول فقہ معقول و فلسفہ کی انتہائی کتابیں قاضی مبارک، حمد اللہ، توضیح تلویح، مسلّم الثبوت، صدرا، شمسِ بازغہ جن دو بزرگوں کے درمیان دائر و سائر تھیں اور وہ بسبیلِ تناوب انہیں پڑھایا کرتے تھے، ان میں ایک حضرت مرحوم تھے اور دوسری شخصیت حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب بلیاوی کی تھی جو ان علوم و فنون کے امام تھے۔ آخری چار کتابوں میں راقم الحروف کو شرف تلمذ حاصل ہے۔ مرحوم درسیات کے محقق عالم تھے۔ معقول و منقول دونوں کے بہترین مدرس تھے۔ حُسنِ تعبیر پر بڑی قدرت حاصل تھی، لیکن تعبیرات معقولی طرز کی ہوتی تھیں۔ بات نہایت منقح (صاف) فرمایا کرتے تھے۔ خوبصورت، خوش پوش، خوش لقا۔

متواضع باوقار بزرگ تھے۔ آخر تک تمام خصوصیات قائم رہیں"۔ (ماہنامہ بینات بابت ماہ شوال ۹۱ھ)

مولانا محمد تقی عثمانی بن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دامت برکاتہم ماہنامہ البلاغ بابت ماہ شوال ۱۳۹۱ھ کے اداریے میں لکھتے ہیں۔ "اس مہینے برصغیر کے استاذ الکل حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کی جاں گداز خبر علمی حلقوں پر صاعقہ بن کر گری۔ حضرت موصوفؒ اس وقت تمام علمائے دیوبند کے اُستاذ تھے اور ان کے ساتھ ایک پوری قرن کا خاتمہ ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اس حادثہ سے سارے علمی حلقے یتیم ہوگئے، کون کس کی تعزیت کرے؟ اللہ تعالیٰ حضرت کو درجاتِ عالیہ عطا فرمائے، حضرت کا تذکرہ ایک مستقل مضمون چاہتا ہے اور انشاء اللہ البلاغ آئندہ شمارے میں یہ سعادت حاصل کرے گا۔"

آپ کی علمی شان اور اس کے ساتھ بیحد تواضع کے بارے میں حضرت مولانا سید حامد میاں دامت برکاتہم خلیفہ مجاز حضرت مدنیؒ اپنے ماہنامہ "انوارِ مدینہ" کے اداریے میں تحریر فرماتے ہیں۔ "حضرت مولانا رسول خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ باوجودیکہ علمی اعتبار سے اس قدر بلند پایہ اور صحیح معنیٰ میں شیخ المحدثین والمفسرینؒ تھے، لیکن درختِ ثمردار کی طرح حقیقی تواضع کے وصفِ عالی سے بھی متصف تھے۔ اپنے قدیم شاگردوں کے ساتھ اس درجہ تواضع وانکساری سے پیش آتے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ قدیم شاگردوں کے بارے میں تو خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ خود بھی بڑھاپے کو پہنچ گئے اور پرانے استاذ ہوگئے ہیں، مگر مولانا تو نئے نئے شاگردوں سے بھی اُسی قدر تواضع وانکساری سے پیش آتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ جیسے جیسے عمر بڑھتی گئی آپ پر تواضع کا غلبہ ہوتا گیا اور جس قدر تواضع غالب ہوئی اُسی قدر مزید بلندیاں بارگاہِ الٰہی سے عنایت ہوئیں۔ سچ ہے "من تواضع للہ رفعہ اللہ"۔ نیز لکھتے ہیں "آپ کے ہم پلّہ اور ہم عمر ساتھیوں میں حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب بلیاوی مرحوم ومغفور (صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) تھے۔ حضرت مولانا ابراہیم کو فلسفہ میں بلند مقام حاصل تھا اور حضرت مولانا رسول خان صاحب کا منطق میں اعلیٰ مقام شمار ہوتا تھا۔"

حضرت مولانا رسول خان صاحب کچھ عرصہ بعد لاہور اورینٹل کالج میں تشریف لے آئے، لیکن چونکہ آپ کے شاگرد دارالعلوم میں تدریسی فرائض انجام دیتے رہے، اس لئے اُس زمانہ میں علم حاصل کرنیوالے طلبہ آپکے شاگردوں کے شاگرد ہوگئے اور آپکے وہاں موجود نہ رہنے کے باوجود دارالعلوم میں آپ کا نام روشن رہا۔

(ماہنامہ انوارِ مدینہ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ)

حضرت شیخ القرآن مدظلہ، اپنے ماہنامہ "تعلیم القرآن" کے اداریے میں لکھتے ہیں کہ "دورۂ حدیث میں شریک علماء کی درخواست پر آپ نے بخاری شریف کی ایک حدیث پڑھائی، اس بات کا بھی مجھے فخر اور شکر ہے کہ آپ نے اپنی پچاس سالہ تدریسی زندگی کا آخری سبق میرے ہاں پڑھایا، صدی سے اوپر عمر اور قوت ارادی دیکھ کر حیرت ہوتی تھی کہ اتنی ہمت تو آج کے جوانوں میں بھی نہیں جتنی ان میں تھی یہ سب دین کی برکت تھی۔ علم کا ایک پہاڑ، لیکن عجز اتنا کہ حدیث پڑھانے سے پہلے فرمایا "مجھے آپ کے سامنے بیان کرتے ہوئے شرم آتی ہے"۔ آپ نے بخاری شریف کی پہلی حدیث باب بدء الوحی بیان فرمائی اور ایک ایسا نکتہ بیان کیا جو ہم نے اپنے شیوخ کے درسوں میں بھی نہ سنا تھا"۔ (بابت ماہ نومبر ۱۹۷۱ء)

حضرت مولانا عبدالحق صاحب ایم این اے شیخ الحدیث و بانی دارالعلوم حقّانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور اپنے ماہنامہ "الحق" میں استاذِ محترم حضرت علامہ مولانا رسول خان مرحوم" کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں کہ "حضرت العلامہ جامع المعقول والمنقول مولانا رسول خان صاحب قدس سرہ العزیز دارالعلوم دیوبند کے درجۂ علیا کے اساتذہ کرام میں سے تھے۔ حضرت کا علم بحرِ بے پایاں اور عمیق تھا۔ حضرت العلامہ مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرح حضرت مرحوم بھی تمام علومِ عقلیہ اور فنون کے امام تھے۔ پھر معقولات کے ساتھ منقولات پر بھی دسترس حاصل تھی۔ دارالعلوم دیوبند میں علمِ کلام و فلسفہ و منطق کی اونچی کتب مثلاً قاضی شرح سلّم، صدرا، شمسِ بازغہ، مسامرہ، امورِ عامہ، شرح اشارات، شرح عقائد جلالی اور کبھی طحاوی شریف، بیضاوی و مسلم شریف بھی پڑھاتے تھے۔ ناچیز کے بھی نہایت مشفق استاذ تھے اور دارالعلوم دیوبند کی طالب العلمی کے دوران معقولات میں قاضی شرح سلم العلوم، صدرا، شمسِ بازغہ اور احادیث میں طحاوی شریف، کلام میں شرح عقائد جلالی (علیم) مناظرہ میں رشیدیہ وغیرہ کئی کتابوں میں ان کا شرف تلمذ حاصل ہوا — طلبہ دارالعلوم دیوبند کی علمی ترقی میں حضرت مولانا مرحوم کی مساعی کو بڑا دخل رہا۔ طالب علموں کو کتاب دانی اور مطالعہ کا طریقہ بتلاتے، طالب العلم تھوڑی سی عبارت پڑھ لیتا، پھر حضرت اوّل تو عبارتِ کتاب کے مطلب اور مفہوم کی وضاحت فرماتے، مرادات سے عبارت کا انطباق فرماتے، پھر قیودات کے فوائد بیان کرتے اور نقص و ابرام کر کے مسئلہ کو نہایت منقح کر دیتے اور اس کے بعد نفسِ مسئلہ اور فنّی مباحث پر تفصیلی تقریر ہوتی۔ گویا دقائق و حقائق کا ایک سمندر موجزن ہوتا اور ان کی زبان سے گویا علمی جواہرات اور موتی جھڑتے تھے۔ حضرت، طلبہ پر از حد شفیق تھے، متانت اور وقار کے پہاڑ تھے، بردباری اور تحمّل

کا پیکر تھے اور نہایت نفیس الطبع بھی تھے۔ لباس، چال ڈھال ہر چیز میں نفاست مُترشح (ظاہر) ہوتی۔ مادری زبان پشتو تھی، مگر دیوبند میں گھر سے باہر کبھی پشتو بولتے نہیں دیکھا۔ اس بے نظیر علم کے ساتھ تواضع بھی از حد تھی۔ ایک ادنیٰ تلمیذ سے بھی ایسے گفتگو فرمایا کرتے جیسے کوئی بڑے عالم سے ہم کلام ہو، تقویٰ کا مجسمہ تھے۔ اواخر عمر کا اکثر حصّہ ذکر واذکار، فکر و مراقبہ، تبلیغ وارشاد میں گزرا۔" (آہ ہمارے استاذ!)
(ماہنامہ الحق بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۹۱ھ)

حضرت مولانا کے اس اقتباس سے حضرتؒ کی زندگی کے کئی گوشے سامنے آگئے ہیں۔ اس میں علمی شان کا بیان بھی ہے اور تدریس کا انداز بھی، اس میں آپ کے علم کا بیان بھی ہے اور عمل کا بھی، اس میں آپ کی شفقت کا بیان بھی ہے اور تحمل کا بھی، اس میں آپ کی نفاست طبع، نظافت اور متانت کا تذکرہ بھی ہے اور تواضع و انکسار کا بھی۔ یہی تواضع ہر ملنے والے کو آپکا گرویدہ بنا دیتی تھی اور مزے کی بات یہ ہے کہ یہ جوہر "خلقۃً" موجود تھا "تکلفاً" نہ تھا۔ اللہ والوں کی یہی علامت ہوتی ہے۔ سچ کہا ہے کسی کہنے والے نے ؎

فروتنی است دلیل رسیدگانِ خدا
چوں سوار بمنزل رسید پیادہ شود

میں نے حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کا یہ مقولہ بہت سے علمائے کرام سے سُنا ہے کہ وہ فرماتے تھے کہ "دیوبند کا تقریباً ہر استاذ اور طالب علم میرے پاس اپنی علمی مشکل ضرور لے کر آیا "الاّ رسول خان" سوائے مولانا رسول خان (صاحب) کے"۔

بیعت کا تعلق | آپ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ سے بیعت بھی تھے اور مجاز بیعت بھی۔ آپ چاروں سلسلوں، قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی میں بیعت فرماتے تھے۔ آپ نے جن کی روحانی اصلاح فرمائی وہ حضرات بھی کم نہیں ہیں اور آپ نے جن سینکڑوں حضرات کی اصلاح فرمائی وہ آج بھی بڑی مضبوطی کے ساتھ دین پر چل رہے ہیں۔ اس وقت اس کی صرف ایک دو مثالیں پیش کر رہا ہوں۔ جس سے قلوب پر آپ کی توجہ کا اندازہ ہو جائے گا۔ طبیہ کالج لاہور کے فاضل پرنسپل جناب نیاز قریشی صاحب ایم۔ اے (انگریزی، سیاسیات، ایل ایل بی) نے ایک خواب دیکھا، راقم کے بڑے بھائی جان مولانا محمد عارف صاحب ایم۔ اے سے آکر اس کی تعبیر پوچھی، انہوں نے بیعت ہونے کے متعلق بتایا

پروفیسر نیاز صاحب نے اس سلسلہ میں رہنمائی چاہی۔ بھائی جان انہیں ساتھ لیکر حضرتؒ کی خدمت میں پہنچے۔ حضرت نے توبہ کرواکر بیعت کیا، خاص توجہ فرمائی، ان کی زندگی کا رخ موڑ دیا۔ اقبال نے غلط نہیں کہا، ؎

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

ایک وہ نیاز تھے جو انگریزی لباس میں ملبوس، نماز روزہ سے دُور، ایک وہ "نیاز" ہیں جنہیں اب پہچاننا بھی مشکل ہوگیا ہے، ماشاء اللہ لمبی ڈاڑھی، کھدر کا لباس، سادگی کا نمونہ، نماز سے عشق، نوافل کا معمول، اللہ نے حج بیت اللہ کی بھی سعادت بخش دی، اب اوروں کو اسی دین پر عمل کرنے کی عملی دعوت کا اصول حضرت کی خدمت میں جاجا کر بہت کچھ حاصل کیا، اگلی پچھلی ساری کسر نکالدی۔ نیاز تو تھے ہی، ان کی خدمت میں پہنچے تو "مجسمۂ نیاز" بن گئے اور بہت کچھ لے کر واپس ہوتے رہے۔

اسی طرح راقم کے ایک دوسرے نہایت ہی مہربان دوست جناب عبدالرشید قریشی ایڈوکیٹ ہائی کورٹ وسپریم کورٹ آپ سے بیعت ہوئے، اصلاح کرواتے رہے۔ اب وہ بھی پہچانے نہیں جاتے۔ بس انہیں بھی حضرتِ نیاز کی طرح سمجھئے۔ اللہ ان کے علم و عمل میں اور برکت دے اور ان سے ہمیں نصیحت حاصل کرنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

"تذکرہ مشائخ دیوبند" مصنفہ حضرت مولانا مفتی عزیزالرحمٰن صاحب میں حضرت تھانویؒ کے خلفائے مجاز کی جو فہرست دی گئی ہے اس میں آپ کا نامِ نامی بھی موجود ہے۔ نیز حضرت تھانویؒ کے ملفوظات میں بھی آپ کا تذکرہ ملتا ہے۔ (باقی آئندہ)

دارالعلوم دیوبند کے عظیم فرزند حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ ایک انقلابی شخصیت اور اسکے انقلاب آفریں

افادات و ملفوظات

• مرتبہ: محمد سرور • صفحات: ۵۰۰ • سائز ۱۸/۸ × ۲۲ • سفید کاغذ • مجلد • آفسٹ طباعت　قیمت ۱۶/۵۰

پیشگی قیمت بذریعہ منی آرڈر بھجوانے والوں کو صرف پندرہ روپے میں کتاب ملے گی

سندھ ساگر اکادمی چوک مینار انارکلی لاہور

اختر چغتائی میرٹھی

غزل

لرز جاتی ہے جو بادِ مخالف کے تصور سے
وُہ کشتی حشر تک شرمندۂ ساحل نہیں ہوتی

نظر آتی ہے آسانی بھی مشکل پست ہمت کو
بعزمِ نوجواں مشکل کبھی مُشکل نہیں ہوتی

بزعم خود مسلماں ہے، موحد ہے، مجاہد ہے
مگر پھر بھی شکستِ ہمت باطل نہیں ہوتی

عمل کی روح خود مقصد وری کا پیش خیمہ ہے
شکستہ قلب سے پیدا نوائے دل نہیں ہوتی

دلِ بے باک و بازوئے قوی کے ہاتھ میداں ہے
فغانِ عاشقی پردہ درِ محمل نہیں ہوتی

نگاہِ شوق و سوزِ شمع و پروانہ ضروری ہے
جمالِ یار ہی سے گرمئ محفل نہیں ہوتی

اگر پروازئ روح الامیں پیدا کرے اخترؔ
تو دیکھے گا کہ ہر اک آشیاں منزل نہیں ہوتی

●

جامعہ مدنیہ

حکیم الاسلام حضرت مولانا القاری محمد طیّب صاحب مدظلہم مہتمم دارالعلوم دیوبند

کی نظر میں!

نحمدہٗ ونصلی۔ آج بتاریخ ۲۷ رجب ۸۸ھ جامعہ مدنیہ لاہور کے ایک خصوصی اجلاس "ختم بخاری شریف" میں حاضری کا شرف میسّر ہوا اور بخاری کی آخری حدیث پڑھ کر اس کے بارے میں کچھ تشریح بھی عرض کی گئی ــــ حضرات اساتذہ وطلبہ کی خواہش پر احقر نے اپنی سندات کے ساتھ اجازتِ تحدیث بھی دی۔

جامعہ میں حاضر ہو کر تعلیمی معیار سے دل مسرور ہوا۔ الحمدللہ ماحول خالص دینی اور تعلیمی ہے اور تمام حضرات اخلاص کے ساتھ افادی اور تعلیمی کاموں میں لگے ہوئے ہیں۔ جامعہ کی عمارت زیرِ تعمیر ہے۔ لاہور کے دریادل مسلمانوں اور اہلِ اخلاص کی ہمتوں سے قلیل عرصہ میں جامعہ کا مجموعی ڈھانچہ سطحِ زمین پر آگیا ہے۔ انہی کی ہمتیں انشاء اللہ اس کی تکمیل کی ضامن بھی ہوں گی۔

حق تعالیٰ اس جامعہ کو اس علاقہ کے لئے علم وعمل کا روشن مینار بناتے اور اس سے فارغ ہونے والے فضلاء ترویجِ دینِ مبین و اُسوۂ رسول رب العٰلمین کے فرائض باخلاصِ تمام انجام دیں۔

واللہ الموفق والمستعان۔ وعلیہ التکلان

محمد طیّب غفرلہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند وارد حال لاہور ۲۷ رجب ۸۸ھ

تبصرہ

"درسِ حدیث"

ادارہ اصلاح و تبلیغ' اشاعتِ احکام الٰہی و سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی حسب بساط خدمت انجام دے رہا ہے ادارہ ہذا نے قرآن حکیم کی ایک نہایت سادہ اور عام فہم ترجمہ و تفسیر "درس قرآن" کے نام سے شائع کی ہے اس میں ایک عام آدمی کو سمجھانے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے یہ درس قرآن چار ہزار صفحات پر مشتمل سات جلدوں میں چھپ چکا ہے مکمل سیٹ (ساتوں جلدوں کا) ہدیہ چونسٹھ روپے ہے۔

"درس قرآن" مکمل ہو جانے کے بعد قوم کی ایک اہم ضرورت کے پیش نظر "درس حدیث" کے نام سے پانچ سو منتخب حدیثوں کا مجموعہ جن کا عام تعلق اخلاق اور طرز زندگی سے ہے چھپوایا گیا ہے۔ یہ احادیث نبوی عام طور پر مشکوٰۃ شریف سے علماء کے ایک بورڈ نے منتخب کی ہیں۔ اکثر احادیث کے ساتھ ان کا حوالہ درج ہے اس سلسلے میں ایک خوبی یہ ہے کہ ہر حدیث کا عنوان دیا گیا ہے اور ہر روز کے لئے ایک صفحہ پر ایک سبق ایک حدیث کا دیا گیا ہے۔ حدیث کے عربی متن پر اعراب لگائے گئے ہیں جس کو ایک معمولی پڑھا لکھا آدمی بھی آسانی سے پڑھ سکتا ہے۔ عربی متن کے بعد حدیث بالا کا ترجمہ اور پھر آسان اردو میں سادہ تشریح کی گئی ہے۔

صفحات ۵۱۲، ہدیہ مجلد بارہ روپے ہے۔ جلد سنہری، کاغذ سفید، سائز ۲۰×۳۰ چھپائی عکسی وبنڈائنگ کرائی گئی ہے۔

ادارہ اصلاح و تبلیغ۔ آسٹریلین بلڈنگ۔ لاہور سے مل سکتی ہے۔

نام کتاب :— آئینۂ رمضان   تالیف :— قاری محمد عطاء اللہ

صفحات :— ۹۶   قیمت :— دو روپے

ناشر :— مکتبہ آئینۂ اسلام چوک وزیر خان بوٹے شاہ لاہور

"آئینۂ رمضان" بیشتر مقامات سے دیکھا ہے۔ یہ روزوں اور رمضان المبارک کے فضائل پر مشتمل ایک دلچسپ اور مفید رسالہ ہے۔ جناب مؤلف نے مدلل اور دلنشیں پیرائے میں فضائل رمضان کے موضوع کو پیش کیا ہے — یہ رسالہ ۲۲ عنوانات پر مشتمل ہے۔ چند عنوانات یہ ہیں؛ ان سے رسالہ کی افادیت و اہمیت کا اندازہ ہو سکے گا۔

جملہ مذاہب میں روزے کا تصور، فرضیتِ صیام کا فلسفہ، روزے کے تقاضے، روزے کے فوائد، لیلۃ القدر، اعتکاف — ٹائیٹل خوشنما اور کتابت و طباعت معیاری ہے۔

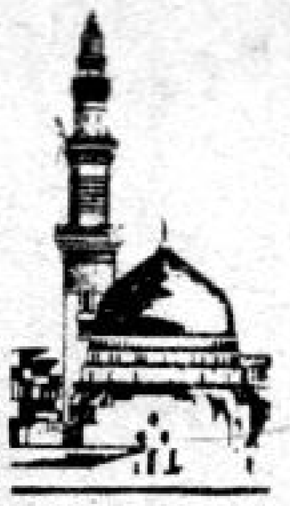

"انوارِ مدینہ" میں

اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے۔

ہمارے یہاں ٹیکسٹائل ملز کے سپیئر پارٹ اور ہر قسم کے سپرنگ تیار ہوتے ہیں

پاکستان سپرنگ مینوفیکچرنگ کمپنی

برانڈرتھ روڈ، رام گلی نمبر ۱، لاہور : فون 66065

جامعہ مدنیہ

زکوٰۃ، صدقات اور ہمہ قسم عطیات کا بہترین مصرف

جامعہ مدنیہ لاہور ان مدارس میں سے ایک ہے جو دینِ حقہ کے تحفظ و اشاعت کی غرض سے معرضِ وجود میں آئے ہیں۔ اس کا شمار ملک کے عظیم دینی اداروں میں ہوتا ہے۔ اس کی ابتداء ۷۵ھ مطابق ۵۵ء میں ہوئی تھی۔ گویا اس وقت جامعہ زندگی کی ۱۶ بہاریں پوری کر کے ۱۷ ویں میں داخل ہو رہا ہے۔ اس مختصر سے عرصہ میں جامعہ نے سینکڑوں علماء اور کثیر تعداد میں حفاظ اور قراء تیار کیے۔ اس وقت بفضلہٖ تعالیٰ جامعہ کی اپنی مستقل خوبصورت اور شاندار عمارت ہے۔ درسِ نظامی کا مکمل انتظام ہے۔ اس سال (۷۲ء) تقریباً پانچ سو طلبہ نے قابل و لائق اساتذہ کی زیرِ نگرانی مختلف شعبوں میں تعلیم حاصل کی۔ ان میں ایک سو سے زائد طلبہ کے خورد و نوش وظائف، کپڑوں اور دیگر جملہ مصارف کا جامعہ کفیل رہا۔

اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ علوم اسلامیہ کا یہ عظیم مرکز بیش از بیش علمی خدمات انجام دے تو آپ خود بھی اس نیک کام میں معاون بنیے اور اپنے احباب اور متعلقین کو بھی اس کارِ خیر میں حصّہ لینے کی ترغیب دیجیے۔

معاونت کی مختلف صورتیں

ا : حسبِ حیثیت ماہانہ چندہ دینا۔

ب : زکوٰۃ۔ عشر اور صدقات وغیرہ جمع کرانا

ج : اناج، کپڑا، بستر وغیرہ جمع کرانا۔ د : تعمیر میں حصہ لینا۔ ہ : کتابیں مہیا کرنا۔

و : نیز بعض حضرات کسی رشتہ دار وغیرہ کے ایصالِ ثواب کی غرض سے غریب طلبہ کو کھانا کھلانا پسند کرتے ہیں تو جامعہ میں اس کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ بیس روپے فی کس کے حساب سے آپ ایک طالب علم کا یا ایک سے زائد طلبہ کا اپنی طرف سے کھانا جاری رکھ سکتے ہیں۔

رمضان کے مہینے میں جب آپ زکوٰۃ ادا کریں تو جامعہ مدنیہ کو فراموش نہ فرمائیے

(محترم الحاج محمود احمد عارف ہوشیارپوری)